جمال القرآن کامل

حکیم الامت حضرت مولانا حافظ قاری

شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

مع حواشی جدیدہ

حضرت صاحب الفضیلة الأستاذ الجلیل

المقری اظہار احمد التھانویؒ

قرائت اکیڈمی®
لاھور

جمال القرآن کامل

تالیف

حکیم الامت حضرت مولانا حافظ قاری شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

معہ حواشی جدیدہ

از

فضیلۃ الشیخ المقری، اظہار احمد تھانوی

قرأت اکیڈمی ®
28- الفضل مارکیٹ 17- اردو بازار- لاہور
Ph.: 042 - 7122423
030 - 4785910

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ کتاب گورنمنٹ آف پاکستان کی جانب سے ''سرٹیفکیٹ آف رجسٹریشن
آف کاپی رائٹ'' کے تحت رجسٹرڈ شدہ ہے۔
رجسٹریشن نمبر 15246

انتباہ

قرآءت اکیڈمی رجسٹرڈ کی تمام مطبوعات کے کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت حقوق طباعت محفوظ ہیں۔ لہٰذا ادارہ کی کسی بھی کتاب کی فوٹو کاپی یا کسی بھی دوسرے طریقہ سے اشاعت غیر قانونی ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

قانونی مشیر

شفیق احمد چاولہ

ایڈووکیٹ ہائی کورٹ، لاہور

نام کتاب	**جمال القرآن**
مصنف	حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ
حاشیہ	حواشی جدیدہ
محشی	المقری اظہار احمد تھانویؒ
طابع وناشر	قرآءت اکیڈمی لاہور
کتابت سرورق	شیر زمان صاحب
کمپوزنگ و	**یونیک گرافکس**
سرورق ڈیزائن	الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

قرآءت اکیڈمی (رجسٹرڈ) کی اپنے قارئین سے

گزارش

الحمدللہ علم تجوید وقرآءت کے فروغ کے لیے قرآءت اکیڈمی (رجسٹرڈ) کوشاں ہے ہمارا مقصد معیاری، دیدہ زیب اور اعلیٰ طباعت کی حامل کتب شائقین تک پہنچانا ہے۔ اگر آپ کے شہر یا علاقے میں آپ کو ہماری کتابیں بآسانی دستیاب نہیں ہو پا رہی ہیں تو براہ راست بلاتکلف ہم سے بذریعہ خط یا فون رابطہ کریں۔

ہم آپ کو انشاءاللہ فوری طور پر کتب فراہم کریں گے۔

نوٹ: فہرست کتب صرف چار روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر منگوائیں۔

قراءت اکیڈمی ®
28- الفضل مارکیٹ 17- اردو بازار لاہور
Ph.: 042 - 7122423
0300 - 4785910

عرض محشی

"جمال القرآن کامل" کے نام سے یہ کتاب غالبًا پہلی مرتبہ مطبع مجیدی کانپور میں شائع ہوئی- اس کی کتابت نہایت عمدہ جلی، واضح اور دیدہ زیب تھی جی چاہا کہ ایسے ہی انداز میں کھلے سائز پر اس کی طباعت ہو جائے ساتھ ہی بعض احباب کی فرمائش ہوئی کہ اس پر مختصر حاشیہ بھی ہو جائے تو اچھا ہے کتاب بذات خود سہل اور واضح کر کے لکھی گئی ہے تاہم طلبہ و اساتذہ کی سہولت کے لیے کچھ ضروری اشارات شامل کر دیئے گئے ہیں-

اساتذہ کرام اس رسالے کو اچھی طرح سمجھا کر یاد کرائیں تو آگے آنے والی کتابوں میں بڑی مدد مل سکتی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ مسائل کا بار بار قرآن میں اجراء کرایا جائے- مختلف انداز سے سوالات کیے جائیں- تکرار سوالات سے مسائل اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتے ہیں-

ابتدا میں حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات شامل کتاب کیے گئے ہیں تاکہ آئندہ نسلیں بزرگوں سے اور ان کے کارناموں سے ناواقف نہ رہیں- کتاب میں بعض مسائل بچوں کو ذہن نشین کرانے کے لیے طویل عبارتوں میں آئے ہیں ان کا مختصر سا خلاصہ حواشی میں جابجا دیا گیا ہے تاکہ زبانی یاد کرانے میں آسانی ہو نیز فنی لحاظ سے بعض ضروری مسائل جو تنقیح طلب تھے زیر بحث آئے ہیں آخر میں حفص بن سلیمانؒ صاحب روایت، امام عاصم صاحب قرآءت اور ان کے شیوخ زر بن حبیش اور ابن حبیب سلمی رحمہما اللہ کے حالات و سوانح بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ طلباء فن، ان ائمہ فن سے واقف ہوں- جابجا فارسی و عربی میں جو حواشی ہوں گے وہ خود حضرت مؤلفؒ کے لکھے ہوئے ہیں-

اس رسالہ کو جو مقبولیت حاصل رہی ہے وہ حضرت مؤلفؒ کے کمال خلوص و للّٰہیت کی علامت ہے- اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو اپنے رضوان و رحمت میں سربلندی عطا فرمائے اور ہمیں بھی اپنی رضا و خوشنودی سے نوازے اور عاقبت بخیر کرے-

اظہار احمد التھانوی عفی عنہ

حالاتِ حضرت مؤلفؒ

نام ونسب وپیدائش :

نام اشرف علی لقب حکیم الامت، والد ماجد کا نام عبد الحق۔ والد صاحب کی طرف سے فاروقی النسل اور والدہ صاحبہ کی طرف سے علوی ہیں، قصبہ تھانہ بھون۔ ضلع مظفر نگر یوپی (ہند) میں ایک رئیس گھرانہ میں ۵ / ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو چہار شنبہ کے دن پیدا ہوئے، تاریخی نام "کرم عظیم" ہے۔ آپ کی وفات ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں ہوئی۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب نے تاریخ رحلت پر فرمایا ع

یہ رحلت ہے آج اشرف الاولیاء کی
۱۳۶۲ھ

تعلیم وتربیت :

اولاً قرآن شریف حفظ کیا استاد کا نام حافظ حسین علی تھا۔ حفظ سے فارغ ہوئے تو تھانہ بھون میں مختلف اساتذہ سے اور زیادہ تر متوسطأت تک فارسی اور ابتدائی عربی کتب حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ علیہ سے پڑھیں۔

حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی بہت بڑے عالم با عمل متقی و پرہیز گار ہونے کے علاوہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور دار العلوم دیوبند میں فارغین علماء کی جو سب سے پہلی جماعت تھی ان میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند کے علاوہ مولانا فتح محمد صاحبؒ بھی تھے۔

حضرت حکیم الامتؒ کی عمر ۱۲، ۱۳ سال تھی کہ حضرت مولانا فتح محمد صاحب کی تعلیم وتربیت کا گہرا اثر آپ نے قبول کیا۔ باجماعت نماز پنجگانہ کا خاص اہتمام فرمانے کے علاوہ پچھلی رات تہجد کو اٹھتے اور نوافل و وظائف پڑھتے تھے۔

قریباً ۱۵ سال کی عمر میں آپ نے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ وہاں فارسی کی اعلیٰ کتابیں مثلاً سکندر نامہ وغیرہ مولانا منفعت علی صاحب دیوبندی سے پڑھیں۔ دار العلوم میں ۱۲۹۵ھ میں داخل ہوئے اور ۱۳۰۱ھ میں

فارغ ہوئے- عربی کی متوسطات حضرت شیخ الہند اور دیگر اساتذہ کرام سے پڑھیں اور دورۂ حدیث اور دیگر اعلیٰ کتب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ (صاجزادہ حضرت مولانا مملوک العلی صاحب اور خلیفہ و مجاز حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ) سے پڑھیں-

فراغت کے بعد حضرت چودہ سال تک کانپور میں صدر مدرس رہے- اسی زمانہ میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے اور خاصے طویل عرصہ تک حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی کی خدمت میں بیعت و سلوک کے مراحل طے کیے تجوید و قرآءت کی تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ صَوْلتیہ کے صدر مدرس شیخ عرب و عجم حضرت قاری عبد اللہ صاحب مہاجر مکہ سے استفادہ کیا، مشق و ریاض سے ایسی عمدہ استعداد پائی تھی کہ لب و لہجہ و ادائیگی میں استاذ کے مثیل و مشابہ ہو گئے- جب حضرت قاری صاحب مدرسہ صولتیہ کی بالائی منزل میں حضرت کو مشق کراتے تھے تو نیچے منزل میں سننے والے یہ تمیز نہ کر سکتے تھے کہ اس وقت استاد پڑھ رہا ہے یا شاگرد-

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور ان کے بعد ابو حنیفہ روزگار حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ سے فن افتاء میں مہارت بہم پہنچائی- سلوک میں حضرت حاجی صاحبؒ سے منازل تصوف میں حد کمال کو پہنچے اور خلافت سے سرفراز ہوئے-

تصنیف و افادۂ باطنی :

قیام کانپور کے زمانہ میں تعلیم و تدریس وعظ و تبلیغ افتاء اور افاضہ باطنی میں بے شمار علماء اور عام مسلمان آپ سے مستفید ہوئے- چودہ سال قیام کانپور کے بعد ایک خاص داعیہ قلبی کے تحت محض توکلاً علی اللہ وطن تھانہ بھون تشریف لائے اور اپنے شیخ روحانی حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خانقاہِ امدادیہ میں جانشین ہو گئے-

اللہ تعالیٰ نے بے مثال مقبولیت نصیب فرمائی وعظ و ارشاد بیعت و سلوک اور تصنیف و تالیف کا اس قدر عظیم الشان کام سرانجام دیا ہے کہ اس کام کی وسعت کے پیش نظر تنہا ایک ایک خدمت کے لیے ایک مستقل ادارہ کی ضرورت تھی مگر؎

لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کچھ بھی مشکل نہیں کہ
ایک عالم کا کام ایک فرد میں جمع کر دے

چنانچہ ہزار سے اوپر تصانیف کی تعداد ہے ہزاروں سے متجاوز آپ کے ہاتھوں پر توبہ اور بیعت کرنے والے ہوئے متحدہ ہندوستان کا گوشہ گوشہ آپ کے وعظ وارشاد سے معمور ہوا- ہزاروں مسلمانوں کو آپ کے فتاویٰ سے دینی وشرعی رہبری نصیب ہوئی اور سینکڑوں علماء ومشائخ آپ کے خلفاء ومجازین بیعت وسلوک ہوئے-

تصانیف :

فقہ، تفسیر، حدیث، تصوف، تجوید، عقائد اور مسلمانوں کی رہبری اور راہنمائی میں معاشرتی تمدنی سیاسی اور تجارتی موضوعات پر نہایت محققانہ وگراں مایہ تحقیقات واستنباط پر مشتمل ہیں-

سینکڑوں مواعظ قلم بند ہو ہو کر دور ونزدیک کے تمام مسلمانوں میں پھیلے اور ان کی راہنمائی کا سامان ثابت ہوئے-

حیرت انگیز کارنامہ یہ ہے کہ حضرت نے اپنی تصانیف سے کبھی کوئی مالی فائدہ حاصل نہیں کیا اجازت عام تھی کہ میری کتابیں جس کا جی چاہے جب چاہے اور جس قدر چاہے چھاپے- حضرت تصانیف کے حقوقِ طباعت کو فروخت کرنا شرعاً ناجائز سمجھتے تھے اس عام اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت کی تصانیف سے سینکڑوں ناشرین کا بھلا ہوا نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم لوگوں نے بھی کتابیں شائع کیں اور لاکھوں روپیہ کمایا اور کما رہے ہیں-

آپ تصوف، تفسیر اور فقہ میں امام الوقت تھے- ارشاد وسلوک میں نہ صرف عوام کی بلکہ علماء کی زبردست راہنمائی فرماتے تھے آپ کے خلفاء میں استاذنا حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کیمبل پوری صدر مدرس مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور، استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مشہور مصنف حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ وغیرہ وغیرہ نہایت ممتاز علماء واکابرین ملت ہوئے ہیں-

نقشہ مخارج

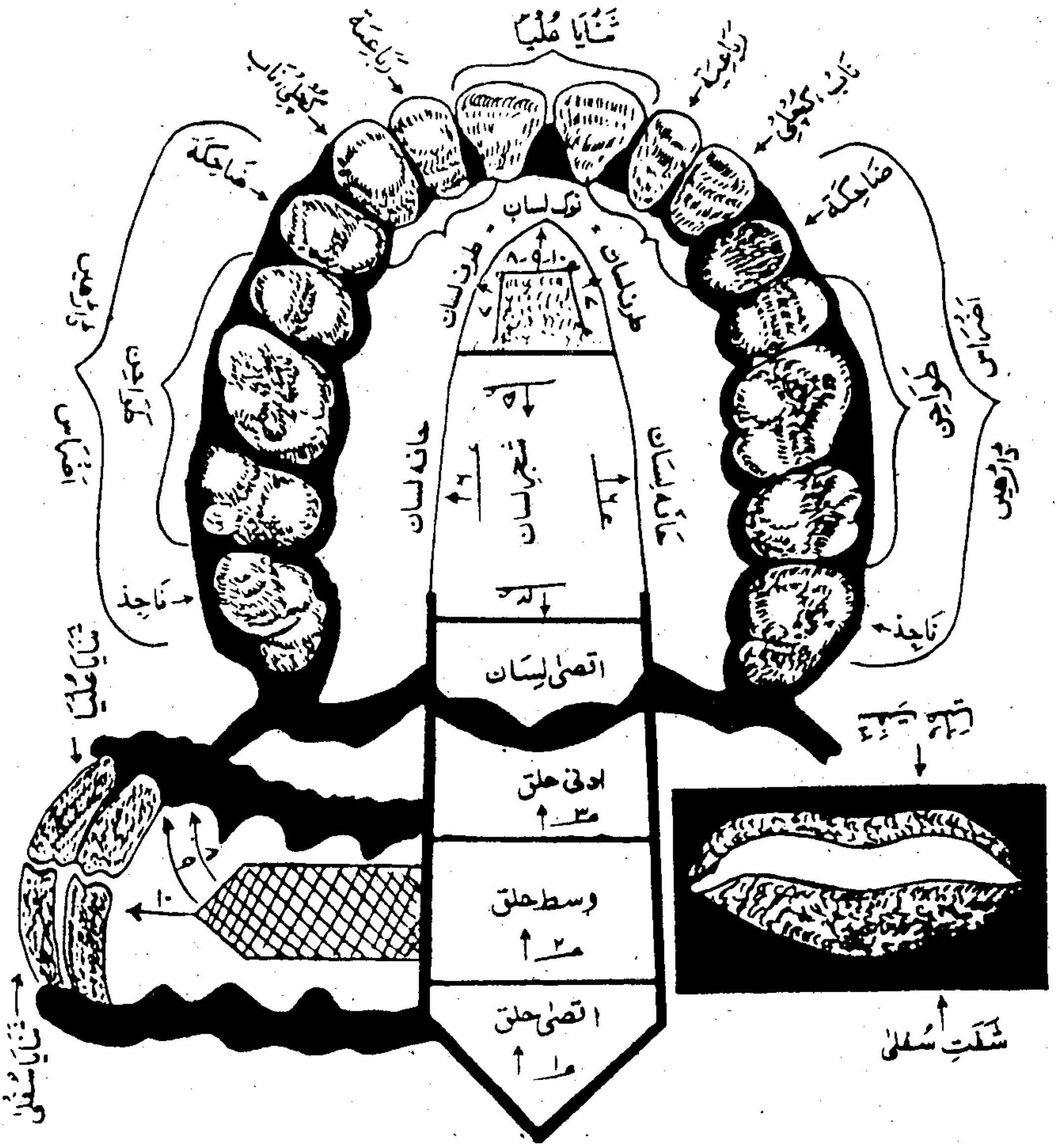
ثنایا علیا
رباعیہ
رباعیہ
ناب، کچلی
ناب
ضاحکہ
ضاحکہ
اضراس
اضراس
طواحن
طواحن
نواجذ
نواجذ
نوک لسان
طرف لسان
طرف لسان
۱۰-۹-۸
۷
۸
م۵
حافۂ لسان
حافۂ لسان
وسط لسان
م۶
م۴
م۷
اقصیٰ لسان
ادنیٰ حلق
م۳
وسط حلق
م۲
اقصیٰ حلق
م۱
ثنایا علیا
ثنایا سفلیٰ
۱۰
شفتِ علیا
شفتِ سفلیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ چند اوراق ہیں ضروریات تجوید میں مسمّٰی "جمال القرآن" اور اس کے مضامین کو ملقب بہ لمعات کیا جائے گا محبی مکرمی مولوی حکیم محمد یوسف صاحب مہتمم مدرسہ قدوسیہ گنگوہ کی فرمائش پر کتب معتبرہ سے خصوص رسالہ ہدیۃ الوحید مؤلفہ قارئی مولوی عبد الوحید صاحب مدرس اول درجہ قرآءت مدرسہ عالیہ دیوبند سے ملتقط کر کے بہت آسان عبارت میں جس کو مبتدی بھی سمجھ لیں لکھا گیا ہے اور کہیں کہیں قرآءت کے دوسرے رسالوں سے بھی کچھ لکھا گیا ہے وہاں ان رسالوں کا نام لکھ دیا ہے اور کہیں اپنی یادداشت سے کچھ لکھا ہے وہاں کوئی نشان بنانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی پس جہاں کسی کتاب کا نام نہ ہو وہ یا تو ہدیۃ الوحید کا مضمون ہے اگر اس میں موجود ہو ورنہ احقر کا مضمون ہے۔ وباللّٰہِ التوفیق وھو خیر عون و خیر رفیق

کتبہ اشرف علی تھانوی ادہمی حنفی چشتی عفی عنہ

مشورۂ مفیدہ: اول اس رسالہ کو خوب سمجھا کر پڑھائیں اور ہر شے کی تعریف و مخارج و صفات وغیرہ خوب یاد کرائیں اس کے بعد رسالہ تجوید القرآن نظم حفظ کرا دیا جائے اور اگر فرصت کم ہو تو رسالہ حق القرآن یاد کرا دیا جائے۔ (دونوں رسائل مطبوع ہیں اور قرآءت اکیڈمی سے دستیاب ہیں)

فقط کتبہ اشرف علی عفی عنہ

پہلا لمعہ

تجوید[1] کہتے ہیں ہر حرف کو اس کے مخرج سے نکالنا اور اس کی صفات کو ادا کرنا اور اس علم کی حقیقت اسی قدر ہے[2] اور مخارج اور صفات آگے آئیں گے۔ چوتھے اور پانچویں لمعہ میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

---

[1] عربی میں تجوید کے معنی عمدہ اور حسین کام کرنا۔ اور اصطلاحی مفہوم حضرت مؤلفؒ نے بیان فرمایا ہے۔

[2] کہنے میں یہ بات تو مختصر سی معلوم ہوتی ہے مگر عامل ہونے میں بڑی محنت کی ضرورت ہوتی ہے اور ماہر اساتذہ سے جس قدر استفادہ کیا جائے بہتر ہوتا ہے۔ دیگر یہ کہ فن کی تعریف میں دو باتیں داخل ہیں ایک حروف کو مخارج سے نکالنا دوسرے ان کی تمام صفات ادا کرنا۔ معلوم ہوا کہ وقف کا باب قواعد فنِ تجوید سے علیحدہ دوسرا فن ہے مگر تجوید سے اس کا گہرا تعلق ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خوش آوازی سے پڑھنا، فن تجوید سے ایک زائد اور خارج امر ہے۔

دوسرا لمعہ

تجوید کے خلاف قرآن پڑھنا یا غلط پڑھنا یا بے قاعدہ پڑھنا لحن کہلاتا ہے اور یہ دو قسم پر ہے ایک یہ کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دیا جائے جیسے اَلْحَمْدُ کی جگہ اَلْھَمْدُ پڑھ دیا یا ث کی جگہ س پڑھ دیا۔ یا حؔ کی جگہ ہؔ پڑھ دی یا ذؔ کی جگہ زؔ پڑھ دی یا صؔ کی جگہ سؔ پڑھ دیا یا ضؔ کی جگہ دالؔ یا ظؔ پڑھ دی یا ظؔ کی جگہ زؔ پڑھ دی یا عؔ کی جگہ ہمزہ پڑھ دیا اور ایسی غلطیوں میں اچھے خاصے لکھے پڑھے لوگ بھی مبتلا ہیں، یا کسی حرف کو بڑھا دیا جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں دال کے پیش کو اور ہؔ کے زیر کو اس طرح کھینچ کر پڑھا اَلْحَمْدُوْ لِلّٰهِیْ یا کسی حرف کو گھٹا دیا جیسے لَمْ یُوْلَدْ میں واؤ کو ظاہر نہ کیا اس طرح پڑھا لَمْ یُلَدْ یا زبر زیر پیش جزم میں ایک کو دوسرے کی جگہ پڑھ دیا جیسے اِیَّاكَ کے کاف کو زیر پڑھ دیا یا اِھْدِنَا میں ہؔ سے پہلے اس طرح زبر پڑھ دیا اَھْدِنَا یا اَنْعَمْتَ کی میم پر اس طرح حرکت پڑھ دی اَنْعَمَتَ یا اور اسی طرح سے کچھ پڑھ دیا ان غلطیوں[1] کو لحن جلی کہتے ہیں اور یہ حرام ہے (حقیقۃ التجوید) اور بعض جگہ اس سے معنی بگڑ[2] کر نماز بھی جاتی رہتی ہے۔ اور دوسری قسم یہ کہ ایسی غلطی تو نہیں کی لیکن حرفوں کے حسین ہونے کے جو قاعدے[3] مقرر ہیں ان کے خلاف پڑھا جیسے رؔ پر جب زبر یا پیش ہوتا ہے اس کو پُر یعنی منہ بھر کر پڑھا جاتا ہے جیسے اَلصِّرَاطَ کی راء جیسا کہ آٹھویں لمعہ میں آئے گا۔ مگر اس نے باریک پڑھ دیا اس کو لحن خفی کہتے ہیں یہ غلطی پہلی غلطی سے ہلکی ہے یعنی مکروہ ہے (حقیقۃ التجوید) لیکن بچنا اس سے بھی ضروری ہے۔

---

[1] حاصل یہ کہ لحن جلی کی چار صورتیں ہیں۔ (۱) تبدیل حرف بہ حرف (۲) حرکات کو بڑھا کر پڑھنا (۳) حروف مدہ کو گرا کر پڑھنا۔ (۴) حرکات و سکنات میں غلطی کرنا۔

ایک حرف کا دوسرے حرف سے بدلنا کبھی مخرج بدلنے سے ہوتا ہے جیسے حا کی جگہ ھا یا خا پڑھنا اور کبھی صفاتِ لازمہ ممیزہ میں تبدیلی کی وجہ سے جیسے ص کا س سے بدل جانا۔ لحن جلی کی دوسری اور تیسری صورتوں کا حاصل یہ ہوا کہ اضافہ اور کمی دونوں لحن جلی ہیں۔ اسی میں داخل ہوگا کسی مشدد کو مخفف پڑھنا کہ یہ کمی ہے یا کسی مخفف کو مشدد پڑھنا کہ یہ اضافہ ہے۔

[2] "معنی بگڑ کر" پر غور کرنے سے واضح ہو سکتا ہے کہ صرف حرف کی تبدیلی سے نماز میں بگاڑ نہیں آتا گو گناہ ہوتا ہے۔ نماز میں فساد اس وقت ہوتا ہے جب لحن جلی کی وجہ سے قرآن کے معنی میں بگاڑ آجائے۔ حضرت مؤلف ؒ نے ایسا جامع لفظ تحریر فرما دیا ہے کہ فقہی مسائل و جزئیات کے بہت سے سوالات کا حل سمجھ میں آسکتا ہے۔

[3] ایسے قواعد سے مراد صفات عارضہ ہیں جن کا بیان آگے آئے گا۔

تیسرا لمعہ

قرآن شریف شروع کرنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا ضروری ہے[1] اور بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر سورت سے شروع کرے تو بسم اللہ ضروری ہے اسی طرح اگر پڑھتے پڑھتے کوئی سورت بیچ میں شروع ہو گئی تب بھی بسم اللہ ضروری[2] ہے مگر اس دوسری صورت میں سورۂ براءت کے شروع میں نہ پڑھے اور بعض عالموں نے کہا ہے کہ پہلی[3] صورت میں بھی سورۂ براءۃ پر بسم اللہ نہ پڑھے[4] اور اگر کسی سورت کے بیچ میں سے پڑھنا شروع کیا تو بسم اللہ پڑھ لینا بہتر ہے ضروری نہیں لیکن اَعُوْذُ اس حالت میں بھی ضروری ہے۔

چوتھا لمعہ

جن موقعوں سے حروف ادا ہوتے ہیں ان کو مخارج کہتے ہیں اور یہ مخارج سترہ ہیں۔

مخرج (۱) جوف دہن یعنی منہ کے اندر کا خلا اس سے یہ حروف نکلتے ہیں واؤ جب کہ ساکن ہو اور اس سے پہلے حرف پر پیش ہو جیسے اَلْمَغْضُوْبِ یا جب کہ ساکن ہو اس سے پہلے زیر ہو جیسے نَسْتَعِیْنُ الف جب کہ ساکن بے جھٹکے ہو اور اس سے پہلے زبر ہو جیسے صِرَاطَ اور ساکن بے جھٹکے اس لیے کہا کہ زبر زیر پیش والا اور اسی طرح ساکن

---

[1] ضروری، عرف وعادت قراء کرام یا آداب قرآنی کے لحاظ سے ہے شرعاً نہیں ہے۔ شرعاً مستحب ہے۔

[2] آسانی کے لیے اس طرح یاد کیجئے کہ ابتداء کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) ابتداء تلاوت وابتداء سورت (۲) ابتداء تلاوت درمیان سورت (۳) ابتداء سورت درمیان تلاوت۔ تینوں کا حکم یہ ہے کہ اول میں اعوذ اور بسم اللہ دونوں ضروری ہیں دوسری میں اعوذ ضروری اور بسم اللہ میں اختیار ہے اور تیسری میں صرف بسم اللہ پڑھی جائے گی۔

[3] یعنی ابتداء تلاوت از ابتداء براءت میں

[4] بہتر یہ تھا کہ حضرت مؤلفؒ اس بات کو یوں ارشاد فرماتے کہ: "بعض عالموں نے کہا ہے کہ پہلی صورت میں سورۂ براءت پر بھی بسم اللہ پڑھے"۔

لیکن اس قول کے نقل کرنے میں بھی چنداں فائدہ نہیں کیونکہ جمہور قراء علماء کا یہی عمل ہے کہ ابتداء براءت میں کسی حال میں بھی بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔ جمہور کے مقابلہ میں بعض علماء کا یہ قول شاذ کے حکم میں ہے جو معمول بہ نہیں۔

جھٹکے والا ہمزہ ہوتا ہے [1] اگرچہ عام لوگ اس کو بھی الف کہتے ہیں جیسے اَلْحَمْدُ کے شروع میں جو الف ہے یا بَأْسٌ کے بیچ میں جو الف ہے یہ واقع میں ہمزہ ہے اور اس تمام کتاب میں ایسے دونوں الفوں کو ہمزہ ہی کہا جائے گا یاد رکھنا۔ اور جس الف اور جس واؤ اور جس یاء کا ابھی اوپر ذکر ہوا ہے ان کو حروف مدہ اور حروف ہوائیہ بھی کہتے ہیں پہلا نام اس لیے ہے کہ ان پر کبھی مد بھی ہوتا ہے۔ گیارہویں لمعہ کے بیان میں اس کا پورا حال معلوم ہوگا اور دوسرا نام اس لیے ہے کہ یہ حروف ہوا پر تمام ہوتے ہیں اور جس واؤ ساکن سے پہلے زبر ہو اس کو واؤ لین کہتے ہیں جیسے مِنْ خَوْفٍ اور جس یاء ساکن سے پہلے زبر ہو اس کو یاء لین کہتے ہیں جیسے وَالصَّيْف پس واؤ لین اور واؤ متحرک کا مخرج آگے سولہویں مخرج کے بیان میں آئے گا۔

اور یاء لین اور یاء متحرک کا مخرج آگے ساتویں مخرج کے [2] بیان میں آئے گا۔

مخرج (۲) : اقصیٰ حلق یعنی حلق کا پچھلا حصہ سینہ کی طرف والا۔ اس سے یہ حروف نکلتے ہیں ہمزہ اور ہ۔

مخرج (۳) : وسط حلق یعنی حلق کا درمیان والا حصہ اس سے یہ حروف نکلتے ہیں ع اور ح بے نقطہ والے۔

مخرج (۴) : ادنیٰ حلق یعنی حلق کا وہ حصہ جو منہ کی طرف والا ہے اس سے یہ حروف ادا ہوتے ہیں غ اور خ نقطہ والے اور ان چھ حرفوں کو حروفِ حلقی کہتے ہیں۔

مخرج (۵) : لہات [3] یعنی کوے کے متصل زبان کی جڑ جب کہ اوپر کے تالو سے ٹکر کھائے اس سے ق ادا ہوتا ہے۔

---

[1] حاصل یہ کہ اَ اِ اُ اسی طرح بَأْ بِئْ بُؤْ متحرک اور ساکن دونوں ہمزہ ہیں اگرچہ لکھنے میں واؤ، الف اور یاء کی سی شکل پر ہیں لیکن مخارج کا مدار لکھائی پر نہیں بلکہ حرف کی آواز پر ہے۔ فرق یہ ہوا کہ ہمزہ جھٹکے سے ادا ہوتا ہے خواہ ساکن ہو یا متحرک، اور الف ہمیشہ نرمی سے ادا ہوتا ہے اور ہمیشہ ساکن ما قبل مفتوح ہوتا ہے با تا ثا جا حا خا الی اخرہ میں الف ہے۔ لکھائی سے بھی فرق ہو سکتا ہے کہ الف پر سکون بنا ہوا نہیں ہوتا اور ہمزہ اگر ساکن ہو تو اس پر سکون اور اگر متحرک ہو تو اس پر زبر زیر پیش لکھا ہوا ہوتا ہے۔

[2] واؤ اور یاء کی تین تین حالتیں ہوئیں متحرک وَ وِ وُ، یَ یِ یُ لین یعنی ساکن ما قبل مفتوح جیسے اَوْ بَوْ تَوْ ثَوْ یَوْ وغیرہ اور اَیْ بَیْ تَیْ ثَیْ غَیْ وغیرہ اور واؤ مدہ یعنی واؤ ساکن ما قبل مضموم جیسے اُوْ بُوْ تُوْ ثُوْ وغیرہ اور یاء ساکن ما قبل مکسور جیسے اِیْ بِیْ تِیْ ثِیْ جِیْ وغیرہ۔ واؤ اور یاء کی تین تین حالتیں ہوئیں مگر ہر ایک کے مخرج دو دو ہی ہیں مدہ ہونے کی حالت میں مخرج جوف دہن بتایا گیا ہے متحرک اور لین ہونے کی حالت میں دونوں کے لیے علیحدہ علیحدہ ایک ایک مخرج آگے بیان میں آتا ہے۔

[3] لہات لام کے زبر کے ساتھ۔ یہ وہ نرم سا بغیر ہڈی کے گوشت ہے۔ جو ہڈی دار تالو کے آخر میں زبان کی جڑ پر لٹکا ہوا ہے اردو میں اسی کو کوا کہتے ہیں۔

مخرج (٦) : ق کے مخرج کے متصل ہی منہ کی جانب ذرا نیچے [۱] ہٹ کر اور اس سے ك ادا ہوتا ہے اور ان دونوں حروف کو لہاتیہ کہتے ہیں۔

مخرج (٧) : وسط زبان اور اس کے مقابل اوپر کا تالو ہے اور اس سے یہ حروف ادا ہوتے ہیں ج ش ی جب کہ مدہ نہ ہو یعنی یائے متحرک اور یائے لین اور مدہ اور لین کے معنی مخرج (۱) کے ذیل میں بیان کیے گئے ہیں اور ان کو حروف شجریہ [۲] کہتے ہیں۔ [۳] (ف) آگے جو مخارج آتے ہیں ان میں بعض دانتوں کے نام عربی میں آئیں گے اس لیے پہلے ان کے معنی بتلائے دیتا ہوں ان کو خوب یاد کر لیں تاکہ آگے سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

جاننا چاہیے کہ بتیس دانتوں میں سے سامنے کے چار دانتوں کو ثنایا کہتے ہیں دو اوپر والوں کو ثنایا عُلیا اور دو نیچے والوں کو ثنایا سُفلیٰ کہتے ہیں اور ان ثَنَایَا کے پہلو میں چار دانت جو ان سے ملے ہوئے ہیں ان کو رَبَاعِیَات [۴] اور قَوَاطِعْ بھی کہتے ہیں۔ پھر ان رَبَاعِیَاتْ سے ملے ہوئے چار دانت نوکدار ہیں ان کو اَنْیَابْ اور کَوَاسِرْ کہتے ہیں پھر ان اَنْیَابْ کے پاس چار دانت ہوتے ہیں ان کو ضَوَاحِکْ کہتے ہیں پھر ان ضَوَاحِکْ کے پہلو میں بارہ دانت اور ہیں یعنی تین اوپر داہنی طرف اور تین اوپر بائیں طرف اور تین نیچے داہنی طرف اور تین نیچے بائیں طرف ان کو طُوَاحِنْ کہتے ہیں پھر ان طَوَاحِنْ کے بغل میں بالکل اخیر میں ہر جانب ایک ایک دانت اور ہوتا ہے جن کو نَوَاجِذْ کہتے ہیں اور ان سب ضَوَاحِکْ، طَوَاحِنْ اور نَوَاجِذْ کو اَضْرَاسْ [۵] کہتے ہیں۔ جن کو اردو میں ڈاڑھ کہتے ہیں۔ یاد کی آسانی کے لیے کسی نے ان سب ناموں [۶] کو نظم کر دیا ہے اور وہ نظم یہ ہے :

---

[۱] ق اور ك کا مخرج اس طرح یاد کر لیں۔ زبان کی جڑ اور اوپر کا تالو اس سے قاف ادا ہوتا ہے اور قاف کے مخرج سے ذرا ہٹ کر منہ کی طرف، زبان کی جڑ اور اوپر کے تالو سے کاف ادا ہوتا ہے۔

[۲] شَجَرِیہ۔ شین کے زبر اور جیم کے سکون سے بولنا چاہیے۔ وسط زبان اور تالو کے درمیان کشادہ حصہ کو عربی میں شجر کہتے ہیں اردو میں اس کے ہم معنی کوئی لفظ نہیں۔

[۳] لخروجها من شجر الفم بسكون الجيم وهو منفتح مابين اللحيين۔ حقيقة التجويد۔ منہ

[۴] رباعیات : راء کے زبر کے ساتھ بولنا چاہیے پیش کے ساتھ بولنا صحیح نہیں۔

[۵] اضراس : ہمزہ پر زبر ہے اور ضاد ساکن ہے، ضِرس (بکسر ضاد) بمعنی داڑھ کی جمع ہے۔

[۶] بتیس دانتوں کے کل چھ نام ہوئے۔ ثنایا، رَباعیات، انیاب، ضواحک، طواحن، نواجذ، ان میں سے سوائے طواحن کے سب چار چار ہیں اور طواحن بارہ ہیں۔ پہلے تین نام دانتوں کے اور باقی تین ڈاڑھوں کے ہیں۔

ہے تعداد دانتوں کی کُل تیں اور دو   ثنایا ہیں چار اور رَباعی ہیں دو دو
ہیں انیاب چار اور باقی رہے بیس   کہ کہتے ہیں قراء اَضْراس انہیں کو
ضَوَاحک ہیں چار اور طَوَاحِنْ ہیں بارہ   نَوَاجِذْ بھی ہیں ان کے بازو میں دو دو

مخرج (۸) : ض کا ہے اور وہ حافہ[1] لسان یعنی زبان کی کروٹ داہنی یا بائیں سے نکلتا ہے جب کہ اضراس علیا یعنی اوپر کی ڈاڑھوں کی جڑ سے لگائیں اور بائیں طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے مگر بہت مشکل ہے اور اس حرف کو حافیہ کہتے ہیں اور اس حرف میں اکثر لوگ بہت غلطی کرتے ہیں اس لیے کسی مشاق قاری سے اس کی مشق کرنا ضروری ہے۔ اس حرف کو دال پر یا باریک یا دال کے مشابہ جیسا کہ آج کل اکثر لوگوں کے پڑھنے کی عادت ہے ایسا ہرگز نہیں پڑھنا چاہیے یہ بالکل غلط ہے۔ اسی طرح خالص ظاء پڑھنا بھی غلط ہے البتہ اگر ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے صحیح طور پر نرمی کے ساتھ آواز کو جاری رکھ کر اور تمام صفات کا لحاظ کر کے ادا کیا جائے تو اس کی آواز سننے میں ظاء کی آواز کے ساتھ بہت زیادہ[2] مشابہ ہوتی ہے دال کے مشابہ بالکل نہیں ہوتی۔ علم تجوید اور قرآءت کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے۔

---

[1] حافہ لسان : زبان کے خاص اس کنارے کو کہتے ہیں جو زبان کی دائیں یا بائیں طرف گالوں کے اندر ہوتا ہے، حضرتِ مؤلفؒ نے اسی کو زبان کی کروٹ سے تعبیر کیا ہے اور زبان کا جو سامنے والا کنارا ہے جو سامنے والے دانتوں سے لگتا ہے وہ طرف لسان یعنی زبان کا کنارا کہلاتا ہے۔ ضاد کے مخرج میں اس طرف لسان کو کوئی دخل نہیں ہے لیکن چونکہ عملاً زبان کے اس کنارے کو تالو پر لگانا بمقابلہ حافہ لسان کو ڈاڑھوں پر لگانے کے آسان ہے۔ اس لیے عموماً لوگ طرفِ لسان اور تالو ہی سے ضاد کو ادا کر لیتے ہیں۔ پھر بدقسمتی سے اس حرف ضاد کی صحیح ادا میں کوشش کی بجائے اس کی مختلف مزعومہ آوازوں کو یاروں نے اپنی جماعت کا شعار (علامۃ القوم) بنا لیا ہے۔ کوئی خالص دالؔ کوئی دالِ مفخم اور کوئی زاء تو کوئی ظاء پڑھ کر اپنی اور اپنی جماعت کی فتح مبین قرار دیتا ہے۔ پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ بعض علاقوں کے لوگ ضاد کی جگہ لام بھی پڑھتے ہیں۔ اور اب تو کہیں ڈال بھی سنتے ہیں اور کہیں غین اور دال کا مرکب پڑھا جاتا ہے یعنی وَلَا غْدَالِیْن غرض گمراہی کے بہت راستے ہیں لیکن حق ایک ہی ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ آدمی تعصب سے ہٹ کر مشاق قاری سے اس حرف کی خوب مشق کرے اور اپنی فہم یا تحقیق پر ہرگز اعتماد نہ کرے۔ [2] حافہ لسان اور ڈاڑھیں ضاد کا مخرج ہیں رخاوت یعنی نرمی سے ادا ہونا چاہیے دالؔ کی طرح شدت یعنی سختی نہ ہو مشدد یا ساکن ہونے کی حالت میں اس بات کا صاف پتہ لگ سکتا ہے کہ نرمی سے ادائیگی ہوئی یا سختی سے نرم ادائیگی کی پہچان یہ ہے کہ آواز جاری ہوگی اور یہی صحیح ہے۔ (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

مخرج (۹) : لام کا ہے کہ زبان کا کنارہ مع کچھ ؎۱ حصہ حافہ جب ثنایا اور رباعی اور ناب اور ضاحک کے مسوڑھوں سے کسی قدر مائل تالو کی طرف ہو کر ٹکر کھائے خواہ داہنی طرف سے یا بائیں طرف سے اور داہنی طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے۔

مخرج (۱۰) : نون کا ہے اور وہ بھی زبان کا کنارہ ہے مگر لام کے مخرج سے کم ہو کر یعنی ضاحک کو اس میں دخل نہیں۔

مخرج (۱۱) : راء کا ہے اور وہ نون کے مخرج کے قریب ہے مگر اس میں پشت زبان کو بھی دخل ہے ان تینوں حرفوں کو یعنی لام اور نون اور راء کو طرفیہ اور ؎۲ ذلقیہ ؎۳ بھی کہتے ہیں۔

(حاشیہ گذشتہ صفحہ) اور ایسی سخت ادائیگی کہ دال کی طرح آواز بند ہو جائے غلط ہے۔ لیکن ضاد کو ظاء کے مخرج سے ہرگز ادا نہ کیا جائے ورنہ تبدیل حرف بحرف ہو کر لحن جلی ہو جائے گی' جیسا کہ دال وغیرہ پڑھنا بھی لحن جلی ہے مزید کچھ وضاحت صفت استطالت کے ذیل میں آتی ہے۔

؎۱ اسی کو اصطلاح میں ادنیٰ حافہ بھی کہتے ہیں۔ ہمارے خیال میں حافہ صرف وہ حصہ ہے جو اضراس سے لگے۔ گو بعض مصنفین نے توسعاً یا مجاز لغوی کے طور پر حافہ کے مفہوم میں دائیں بائیں زبان کی پوری کروٹ والے حصہ کو حافہ کہا ہے۔ مگر مصنف جمال القرآن وغیرہ کے بیان میں غور کرنا چاہیے۔ (الف) ض کے مخرج میں فرمایا کہ وہ حافہ لسان اور اضراس علیا ہے۔ (ب) صفتِ استطالت میں فرماتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کے ادا میں شروع مخرج سے آخر تک یعنی حافہ زبان کے شروع سے حافہ زبان کے آخر تک آواز کو امتداد رہتا ہے۔ (ج) حافہ زبان کا آخر وہ حصہ ہوا جو آخری ڈاڑھ یعنی ضاحک سے لگے۔ کیونکہ اضراس ضاحک پر ختم ہو جاتی ہے لہذا حافہ بھی ضاحک کے مقابل تک ختم ہو جانا چاہیے ورنہ صفت استطالت کی تعریف میں شروع مخرج سے آخر تک کا مطلب یہ بتلانا کہ حافہ زبان کے شروع سے حافہ زبان کے آخر تک"۔ بے معنی بات ہو جائے گی۔ اور جب یہ طے ہو گیا کہ حافہ صرف اضراس کے مقابل کا نام ہے تو لامحالہ ثنایا' رباعی' انیاب کا مقابل طرف لسان یعنی زبان کا کنارہ ہو جاتا ہے۔ (نوٹ) واضح ہو کہ علامہ جزری کا کلام ع وَاللَّامُ اَدْنَاهَا لِمُنْتَهَاهَا میں اَدْنَاهَا کی ضمیر کا مرجع حافہ اور مُنْتَهَاهَا کی ضمیر کا مرجع لسان ہے۔ (وَاللِّسَان تُذَكَّرُ وَ تُؤَنَّثُ) علامہ شاطبی فرماتے ہیں :ع وَحَرْفٌ بِاَدْنَاهَا اِلٰى مُنْتَهَاهُ یعنی ایک حرف (لام) ادنیٰ حافہ سے منتہائے لسان تک ہے۔ حافہ کا وہ حصہ جو کل اضراس کے مقابل ہے اگر اقصی حافہ ہے تو ضاحک کے مقابل حافہ کا نام ادنیٰ حافہ کیوں ہے؟ کیا ضاحک اضراس میں داخل نہیں؟ اور اگر رباعی انیاب کے مقابل کنارۂ زبان' ادنیٰ حافہ ہے تو پھر نون کا مخرج اگر اس طرح کہا جائے تو کیا حرج کی بات ہے کہ "نوک زبان اور ادنیٰ حافہ" حالانکہ فن کی کسی بھی کتاب میں نون کا مخرج ادنیٰ حافہ نہیں کہا گیا ہے بلکہ تمام کتابوں میں طرفِ لسان ہی ہے۔ ؎۲ لخروجها من ذلق اللسان (بفتحتین طرف زبان۔م) ای طرفہ حقیقۃ التجوید منہ" ؎۳ ذلق بفتحتین طرف زبان ہی کو کہا جاتا ہے۔

مخرج (۱۲) : طآء اور دآل اور تآء کا ہے یعنی زبان کی نوک اور ثنایا علیا کی جڑ اور ان تینوں حرفوں کو نِطَعِیہ [۱] کہتے [۲] ہیں۔

مخرج (۱۳) ظآء اور ذآل اور ثاء کا ہے اور وہ زبان کی نوک اور ثنایا علیا کا سرا ہے اور ان تینوں حرفوں کو لِثَوِیہ [۳] کہتے ہیں۔

مخرج (۱۴) : صاد اور زاء اور سین کا ہے اور یہ زبان کا سر الور ثنایا سفلی کا کنارا مع کچھ [۴] اتصال ثنایا علیا کے ہے اور ان کو حروف صفیر کہتے ہیں۔

مخرج (۱۵) : فاء کا ہے اور یہ نیچے کے ہونٹ کا شکم [۵] اور ثنایا علیا کا کنارہ ہے۔

مخرج (۱۶) : دونوں ہونٹ ہیں اور ان سے یہ حروف ادا ہوتے ہیں باء اور میم اور واؤ جبکہ مدہ نہ ہو، یعنی واؤ متحرک اور واؤ لین [۶] اور مدہ اور لین کے معنی مخرج (۱) کے ذیل میں بیان کئے گئے ہیں مگر ان تینوں میں اتنا فرق ہے کہ باء ہونٹوں کی تری سے نکلتی ہے اور اس لیے اس کو بحری کہتے ہیں اور میم ہونٹوں کی خشکی سے نکلتی ہے اور اس لیے اس کو بری کہتے ہیں اور واؤ دونوں ہونٹوں کے ناتمام [۷] ملنے سے نکلتا ہے اور فاء کو اور ان تینوں حرفوں کو شفویہ کہتے ہیں۔

مخرج (۱۷) : خیشوم یعنی ناک کا بانسہ [۸] ہے اس سے غنہ [۹] نکلتا ہے غنہ کا بیان آگے نویں دسویں لمعہ میں نون اور میم کے قاعدوں میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔ اور جاننا چاہیے کہ ہر حرف کا مخرج معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس حرف کو ساکن کر کے اس سے پہلے ہمزہ متحرک لے آئے جس جگہ آواز ختم ہو وہی اس کا مخرج ہے۔

---

[۱] نِطَع بکسر نون و فتح طاء تالو کی سلوٹوں یا شکنوں کو کہتے ہیں۔ اردو میں اس کے ہم معنی کوئی لفظ نہیں بہر حال قرب کی وجہ سے ان حرفوں کو نطعیہ کہا گیا۔ [۲] لخروجها من نطع الغار من الحنك الاعلی ای سقفه۔ حقیقۃ التجوید و درۃ الفرید منہ"۔ [۳] لِثَہ بکسر لام و فتح ثاء بمعنی مسوڑھے، قرب کی وجہ سے یہ نام دیا گیا ہے۔ [۴] یعنی ثنایا علیا اور ثنایا سفلی کے کناروں کا اتصال ہوتا ہے اور اسی سے صفیر یعنی سیٹی پیدا ہوتی ہے۔ [۵] یعنی نیچے کے ہونٹ کا باطن جو ہونٹوں کے بند ہونے کے وقت اندر چھپ جاتا ہے۔ [۶] واؤ کی تین حالتیں اور دو مخرج ہوئے اُوْ کی واؤ مدہ ہے اس کا مخرج جوفِ دہن ہے اور لَوْ کی واؤ لین ہے اسی طرح وَ وِ وُ واد متحرک ہے اور واو لین اور واو متحرک دونوں کا مخرج یہاں بیان ہوا ہے۔ [۷] مختصر بات اس طرح یاد کرلی جائے تو اچھا ہے کہ واو لین اور متحرک کا مخرج انضمام شفتین اور باء میم کا مخرج اطباقِ شفتین ہے۔ [۸] یعنی ناک کی جڑ میں ہڈی والا حصہ۔ [۹] غنہ خیشوم سے نکلنے والی گنگنی آواز کو کہتے ہیں، یہ کوئی حرف نہیں بلکہ نون میم میں پائی جانے والی حالت کا نام ہے۔ مگر یہ ایک ایسی حالت ہے کہ اس میں حرف کی سی مستقل شان پائی جاتی ہے۔ کسی حرف کے بغیر اگر ناک سے خالی گنگناہٹ کی آواز پیدا کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ اس لیے اس آواز کے مخرج کو مخارج میں مستقل طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ پائے جانے میں نہ گنگناہٹ کا مستقل کوئی وجود ہے اور نہ یہ حالت نون و میم کے سوا کسی حرف میں پائی جاتی ہے۔

پانچواں لمعہ

جن کیفیتوں سے حروف ادا ہوتے ہیں ان کیفیتوں کو صفات ؎۱ کہتے ہیں اور وہ دو طرح کے ہیں ایک وہ کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو وہ حرف ؎۲ ہی نہ رہے گا ایسی صفت کو ذاتیہ اور لازمہ ؎۳ اور ممیّزہ اور مقوّمہ کہتے ہیں اور ایک وہ کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو حرف تو وہی رہے مگر اس کا حسن وزینت ؎۴ نہ رہے اور ایسی صفت کو محسنہ مزینہ محلیہ عارضیہ ؎۵ کہتے ؎۶ ہیں- پہلی قسم کی صفات سترہ ہیں-

(۱) **ہمس** : اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو مہموسہ کہتے ہیں مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حرفوں کے ادا کرنے کے وقت آواز مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرے کہ سانس جاری رہ سکے اور آواز میں ایک قسم کی پستی ؎۷ ہو اور ایسے حرف دس ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے فَحَثَّهٗ شَخْصٌ سَكَتَ- ؎۸

(۲) **جہر** : اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو مجہورہ کہتے ہیں مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت آواز مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرے کہ سانس کا جاری رہنا بند ہو جائے اور آواز میں ایک قسم کی بلندی ؎۹ ہو اور مہموسہ کے سوا باقی سب حروف مجہورہ ہیں اور جہر و ہمس دونوں صفتیں ایک دوسرے کے مقابل ہیں-

---

؎۱ یعنی مخرج سے پیدا ہوتے وقت حرف کی آواز میں جو کیفیت یا حالت ہونی چاہیے اس کو صفت کہا جاتا ہے- ؎۲ صفت لازمہ کی تعریف- وہ صفت جو حرف میں ہمیشہ پائی جائے اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو حرف حرف نہ رہے یا ناقص ادا ہو- ؎۳ زیادہ تر صفتِ لازمہ ہی بولتے ہیں- ؎۴ صفتِ عارضہ کی تعریف- وہ صفت جو حرف میں کبھی ہو کبھی نہ ہو- اگر وہ نہ پائی جائے تو حرف تو وہی رہے مگر اس کا حسن وزینت نہ رہے- ؎۵ زیادہ تر صفت عارضہ ہی بولتے ہیں- ؎۶ **وجه التسمية به ان هذه الصفات في الحروف تكون لخصوص المحل دون محل اخر** منہٗ ؎۷ صفت ہمس کی اصل تعریف بس اسی قدر ہے کہ مخرج میں آواز ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرے کہ آواز میں پستی ہو- یہ مفہوم لغت کی مدد سے خود لفظ ہمس سے سمجھا جا سکتا ہے- اور ”سانس جاری رہ سکنا-“ تعریف میں داخل نہ سمجھنا چاہیے بلکہ علامت ہے کہ مہموسہ حرف کو ساکن ادا کریں مثلاً اَثْ تو پست آواز کے ساتھ سانس کی ہوا نکلتی ہے- کیونکہ سانس کچھ آواز بنتا ہے اور کچھ اپنی تنفّسی حالت پر قائم رہتا ہے- ؎۸ ترجمہ اش این است پست ترغیب داد اور اشخصیکہ ساکت شد- منہٗ ؎۹ جہر کے معنی بلند آواز کے ہیں- تعریف صرف اس قدر ہے کہ مخرج میں آواز ایسی قوت سے ٹھہرے کہ آواز میں بلندی ہو اور ”سانس جاری رہنا بند ہو جائے“ تعریف سے خارج ہے جو محض علامت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مجہورہ حرف کو ساکن ادا کریں مثلاً اِذْ تو اس میں تمام آواز بلند ہو گی کیونکہ تمام سانس آواز بن جاتا ہے-

(۳) **شدت** : جن حروف میں یہ صفت پائی جائے ان کو شدیدہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرتے وقت آواز ان کے مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرے کے آواز بند ہو جائے اور آواز میں ایک قسم کی سختی[1] ہو اور ایسے حرف آٹھ ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے : اَجِدُكَ قَطَبْتَ[2]

(۴) **رخوت**[3] : اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو رخوہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرتے وقت آواز ان کے مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرے کہ آواز جاری[4] رہے اور آواز میں ایک قسم کی نرمی ہو اور شدیدہ اور متوسطہ کے سوا باقی سب حروف رخوہ ہیں اور متوسطہ کا بیان ابھی آتا ہے اور ہمس اور جہر کی طرح شدت اور رخوت بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور ان دونوں صفتوں کے درمیان ایک صفت اور ہے۔

توسط : اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو متوسطہ اور بینیہ کہتے ہیں مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ آواز اس میں نہ تو پوری طرح بند ہو اور نہ پوری طرح جاری[5] ہو۔ (حقیقۃ التجوید) اور ایسے حرف پانچ ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے لِنْ عُمَرُ[6] اور اس توسط کو الگ صفت نہیں گنا جاتا کیونکہ اس میں کچھ شدت کچھ رخوت ہے پس یہ ان دونوں سے الگ نہ ہوئی۔

اور اس مقام پر ایک شبہ ہے وہ یہ کہ حرف تاء اور کاف کو مہموسہ میں سے بھی شمار کیا ہے حالانکہ ان میں آواز بند ہو جاتی ہے۔ اور اسی واسطے ان کو شدیدہ میں شمار کیا

---

[1] شدت کے معنی سختی اور مضبوطی کے ہیں یعنی مخرج میں ایسی سختی کے ساتھ آواز ٹھہرے کہ اگر ساکن حالت میں حرف کی آواز کو جاری رکھنا چاہیں تو یہ ممکن نہ ہو۔ پس اصل تعریف یہ ہوئی کہ حرف مضبوطی اور سختی کے ساتھ ادا ہو اور ساکن حالت میں آواز کا بند ہونا یہ اس کی پہچان ہوئی مثلاً اَقْ [2] (ترجمہ) اش این است می یابم ترا کہ ترش روئی۔ منہ۔

[3] رخوت بکسر راء نرم ہونا۔ ومنہ قَوْلُهٗ تَعَالٰی تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً

[4] گویا تعریف یہ ہوئی کہ مخرج میں آواز ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرے کہ آواز میں نرمی ہو اور نرمی کی پہچان یہ ہے کہ حالت سکون میں حرف رخوہ کی آواز کو جاری رکھ سکتے ہیں مثلاً اَسْ۔

[5] یعنی نہ شدیدہ کی طرح سختی ہو اور نہ رخوہ کی طرح نرمی ہو بلکہ دونوں کے درمیانی حالت ہو گویا شدت ناقصہ اور رخاوت ناقصہ پائی گئی۔

[6] (ترجمہ) اش این است نرم شواے عمر۔ منہ

گیا[1] ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حروف میں ہمس ضعیف ہے اور شدت قوی ہے سو شدت[2] کے قوی ہونے سے تو آواز بند ہو جاتی ہے لیکن کسی قدر ہمس ہونے سے بعد[3] بند ہونے کے کچھ تھوڑا سانس بھی جاری ہوتا ہے مگر اس سانس کے جاری ہونے میں یہ احتیاط رکھنی چاہیے کہ آواز[4] جاری نہ ہو کیونکہ اگر آواز جاری کی جائے گی تو کاف و تاء شدیدہ نہ رہیں گے بلکہ رخوہ ہو جائیں گے اور دوسرے اس میں حاء کی آواز پیدا ہو کر غلط ہو جائے گا۔

(۵) **استعلاء** : اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو مستعلیہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت ہمیشہ جڑ زبان کی اوپر کے تالو کی طرف اٹھ جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ حروف موٹے ہو جاتے ہیں اور ایسے حروف سات ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ .

---

[1] یہ اعتراض اس مفروضہ پر کیا جا رہا ہے کہ آواز اور سانس ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں۔ کاف و تاء میں شدت کی وجہ سے آواز بند ہوتی ہے تو ہمس کی وجہ سے سانس کیوں جاری رہے گا۔ سانس بھی بند ہونا چاہیے اور اس طرح یہ دونوں حرف مجہورہ میں شمار ہونے چاہئیں نہ کہ مہموسہ میں جیسا کہ کاف و تاء کے علاوہ باقی چھ حروف شدیدہ بھی مجہورہ ہی ہیں۔ یہ اعتراض کی توضیح ہوئی۔

[2] **فی جهد المقل واما الشديد المهموس حرفان الكاف والتاء فيشد صوتهما بالكلية بل نفسها ايضاً لان حقيقة الصوت هى النفس ثم ينفتح مخرجاهما و يجرى فيهما نفس كثير مع صوت ضعيف ليحصل الهمس وفيه الشدة فى ان والهمس فى زمان اخر – وزاد فى حقيقة التجويد فالهمس فى زمان بعد ان اه وفيهما وهذا باب يتحير فيه الالباب اه منهٗ –**

[3] کاف و تاء میں سکون کے وقت آواز بند ہوتی ہے اس طرح کہ کاف میں زبان کی جڑ تالو پر مضبوطی سے لگتی ہے اور تاء میں نوک زبان ثنایا علیا کی جڑ پر مضبوطی سے لگتی ہے اور آواز بند ہو کر جب جڑیا نوک علیحدہ ہوں گی تو سانس معمولی سا خود جاری ہو جائے گا اور یہی ہمس ہے۔ یہ تحقیقی جواب ہے۔ اور اسی اعتراض کا دوسرا منعی جواب اس طرح ہو سکتا ہے کہ صفت شدت اور ہمس میں باہم کوئی تضاد نہیں ہے۔ آواز مسموع ہوتی ہے سانس مسموع نہیں ہوتا آواز بند ہونے کو سانس کا بند ہونا لازم ہی نہیں بلکہ دونوں باتیں بیک وقت ممکن ہیں۔ اگر کوئی شخص خاموش ہو یعنی اس کی آواز بند ہو تو کیا اس کی سانس بھی بند ہونی ضروری ہے ؟

[4] کیونکہ سانس میں آواز نہیں ہوتی اگر یہ سانس دوسرے کو بھی سنائی دے تو سانس اپنی اصلی کیفیت پر نہ رہا بلکہ آواز ہو گیا تو پھر اس ہمس کو سنانے کی کوشش کیوں کی جائے ؟ کہ اِیَّاكَ کو اِیَّاکَھْ اور اَنْعَمْتَ کو اَنْعَمْتَھْ پڑھا جائے۔

(۶) **استفال** : اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو مستفلہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت زبان کی جڑ اوپر کے تالو کی طرف نہیں اٹھتی جس کی وجہ سے یہ حروف باریک رہتے ہیں اور مستعلیہ کے سوا باقی سب حروف مستفلہ ہیں اور یہ دونوں صفتیں استعلاء اور استفال بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

(۷) **اطباق** : اور جن حروف میں یہ صفت پائی جائے ان کو مطبقہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت زبان کا بیچ اوپر کے تالو سے مُلْصَق [۱] ہو جاتا ہے یعنی لپٹ جاتا ہے اور ایسے حروف چار ہیں : ص ض ط ظ۔

(۸) **انفتاح** : اور جن حروف میں یہ صفت ہو ان کو منفتحہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت زبان کا بیچ اوپر کے تالو سے جدا رہتا ہے خواہ زبان کی جڑ تالو سے لگ جائے جیسے قاف میں لگ جاتی ہے خواہ نہ لگے (جہد المقل مع الشرح) اور مطبقہ کے سوا سب حروف منفتحہ ہیں اور یہ دونوں صفتیں اطباق و انفتاح بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

(۹) **اذلاق** : اور جن حروف میں یہ صفت پائی جائے ان کو مذلقہ [۲] کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ یہ حروف زبان اور ہونٹ کے کنارہ سے بہت سہولت کے ساتھ جلدی سے ادا ہوتے ہیں اور ایسے حروف چھ ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے فَرَّمِنْ لُبٍّ [۳] یعنی ان میں جو حروف شفویہ [۴] ہیں وہ ہونٹ کے کنارہ [۵] سے ادا ہوتے ہیں اور شفویہ کا مطلب مخرج نمبر ۱۶ میں گزرا ہے اور جو شفویہ نہیں [۶] وہ زبان کے کنارہ سے ادا ہوتے ہیں (درۃالفرید للشیخ الدہلویؒ)

(۱۰) **اصمات** [۷] : اور جن حروف میں یہ صفت پائی جائے ان کو مصمتہ [۸] کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ یہ حروف اپنے مخرج سے مضبوطی اور جماؤ کے ساتھ ادا ہوتے ہیں آسانی اور جلدی سے ادا نہیں ہوتے اور مذلقہ کے سوا سب حروف مصمتہ ہیں اور یہ دونوں صفتیں اذلاق و اصمات بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں ان دس صفات کو صفاتِ متضادہ کہتے

---

[۱] اطباق کے معنی عربی میں ڈھانپنے اور بند کرنے کے ہیں یعنی حروف مطبقہ کی ادائیگی کے وقت زبان تالو کے غار کو ڈھانپ دیتی ہے جس سے یہ حروف خوب مفخّم یعنی پر ہو جاتے ہیں۔ [۲] والذلق فی اللغة الطرف منہٗ۔ [۳] ترجمہ : این است گریخت از عقل۔ منہٗ [۴] یعنی فاء میم باء [۵] یعنی بے تکلف روانی سے ادا ہونے ضروری ہیں۔ [۶] یعنی لام، نون، را۔ اہل زبان نے حروف مذلقہ کے چھ حرفوں کو ادا میں آسان یعنی زبان ولب پر سہل الادا۔ اور اخف الحروف قرار دیا ہے۔ اسی واسطے عربی لفظوں میں بکثرت ان حرفوں کا امتزاج ہوتا ہے ورنہ اہل زبان کے نزدیک وہ کلمہ ثقیل شمار ہوتا ہے۔ یہ بات خالص سماعی اور توقیفی ہوئی۔ اس میں عقل کو دخل نہیں۔ (نہایۃ القول المفید) [۷] فی حقیقۃ التجوید۔ الاصمات لغة المنع مطلقاً و اصطلاحاً امتناع الكلمة الرباعية و الخماسية من غير حرف من المذلقة فالعسجد عجمی اسم للذهب وليس بعربی۔ منہٗ [۸] اصمات سے بصیغہ اسم مفعول۔

ہیں کیونکہ ایک دوسرے کی ضد؎۱ یعنی مقابل ہے جیسا کہ اوپر بتلاتا گیا ہوں کہ آگے جو صفات آتی ہیں وہ غیر متضادہ کہلاتی ہیں اور جاننا چاہیے کہ صفات متضادہ سے تو کوئی حرف بچا ہوا نہیں رہتا بلکہ جتنے حروف ہیں ہر حرف پر مقابل صفتوں میں سے کوئی نہ کوئی صفت صادق آئے گی اور صفات غیر متضادہ بعض حروف میں ہوں گی بعض میں نہ ہوں گی اور وہ صفات غیر متضادہ یہ ہیں۔

(۱۱) **صفیر** : اور جن حروف میں یہ صفت پائی جائے ان کو صفیریہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان کے ادا کے وقت ایک آواز تیز؎۲ مثل سیٹی کے نکلتی ہے اور ایسے حروف تین ہیں ص — ز — س

(۱۲) **قلقلہ** : اور جن حروف میں یہ صفت پائی جائے ان کو حروف قلقلہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ حالت سکون میں ان کے ادا کے وقت مخرج؎۳ کو حرکت ہو جاتی ہے اور ایسے حروف پانچ ہیں جن کا مجموعہ قُطْبُ جَدٍّ؎۴ ہے۔

(۱۳) **لین** : اور جن حروف میں یہ صفت پائی جائے ان کو حروفِ لین کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان کو مخرج سے ایسی نرمی کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی ان پر مد کرنا چاہے تو کر سکے؎۵ اور ایسے حروف

؎۱ دس صفات متضادہ سے ۲۹ حرفوں میں سے ہر ایک میں پانچ پانچ صفات کا پایا جانا ضروری ہے یہ صفات گویا پانچ جوڑے ہیں کہ کوئی حرف ان سے خالی نہیں ہو سکتا' ہر جوڑہ میں سے ایک صفت ہو گی اور اس کی مقابل صفت نہ ہو گی۔ آگے آنے والی صفات غیر متضادہ ہیں ان میں سے کوئی کسی حرف میں مخصوص طور پر ہو گی اور کسی میں نہ ہو گی۔

؎۲ طرف لسان اور چاروں ثنایا کے اتصال سے حروف صفیر نکلتے ہیں جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ان تینوں حرفوں کا قدرتی طور پر مخرج ہی کچھ اس طرح ہے کہ آواز مخرج میں محدود ہو کر سیٹی کی آواز سے مشابہ ہو جاتی ہے۔

؎۳ قاعدہ ہے کہ دو جسموں کے ٹکرانے سے مخرج میں حرف پیدا ہوتا ہے۔ اسی اصول کے مطابق (حروف قلقلہ کے علاوہ) دیگر تمام حرفوں میں تو سکون حروف پر اس طرح ادا ہوتا ہے کہ دو جسموں کے تصادم سے پیدا ہو کر آواز ختم ہو جاتی ہے اور مخرج میں بھی کوئی جنبش نہیں ہوتی مگر حروفِ قلقلہ میں صرف یہی بات نہیں بلکہ مخرج میں آواز پیدا ہونے کے بعد مخرج میں ایک نئی تحریک پیدا کر کے دوبارہ آواز پیدا کرنی ہوتی ہے۔

حاصل یہ کہ چاہے کہو کہ مخرج کو حرکت ہو جاتی ہے اور چاہے یہ کہہ لو کہ آواز کو حرکت ہو جاتی ہے کیونکہ مضبوط التصاق کے بعد ایک دفعی انفکاک ہوتا ہے اور دوبارہ آواز پیدا ہوتی ہے۔ قلقلہ کا مصداق یہی دوبارہ پیدا ہونے والی آواز ہے۔ بہر حال قلقلہ جہر و شدت دو قوی صفتوں کے اجتماع کی وجہ سے ہوتا ہے قلقلہ ایسی بلند آواز میں کرے کہ دوسرا ابھی سن لے صرف اپنے کو سنانا ہی کافی نہیں۔ (نہایۃ القول ص ۵۲) ؎۴ یعنی مدار بزرگی۔ منہ

؎۵ یعنی حروف مدہ کی آواز جوف دہن سے نکلتی ہے ان میں تو آواز کے دراز ہونے اور نرم ہونے کی بدرجہ اتم گنجائش موجود ہے لیکن حروفِ لین جن کا مخرج متعین و محقق ہے ان میں آواز کے دراز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا حالانکہ مد فرعی میں معلوم ہو گا کہ مد کی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں محلِ مد حرفِ لین ہوتا ہے اور اس کو کھینچا جاتا ہے اسی اشکال کو ختم کرنے کے لیے علماء تجوید نے حروف لین میں ایسی نرمی اور لچک کو تسلیم کیا کہ ان پر مد ہو سکتا ہے اسی نرمی کو صفتِ لین کہتے ہیں۔ حضرت مؤلفؒ کے یہ الفاظ قابل غور ہیں کہ۔ "اگر کوئی ان پر مد کرنا چاہے تو کر سکے۔"

دو ہیں واو ساکن اور یائے ساکن جب کہ ان سے پہلے والے حرف پر فتحہ یعنی زبر ہو جیسے خَوْف صَیْف

(۱۴) انحراف : اور جن حروف میں یہ صفت پائی جائے ان کو منحرفہ کہتے ہیں اور وہ دو حروف ہیں لاؔم اور راؔ اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان کے ادا کے وقت لام میں تو زبان کے کنارہ کی طرف اور راء میں کچھ زبان کی پشت کی طرف اور کچھ لام کے موقع کی طرف میلان[1] اپایا جائے۔ (درۃ الفرید)

(۱۵) تکریر : اور یہ صفت صرف راؔء میں پائی جاتی ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ چونکہ اس کے ادا کرنے کے وقت زبان میں ایک رعشہ یعنی لرزہ ہوتا ہے اس لیے اس وقت آواز میں تکرار کی مشابہت ہو جاتی[2] ہے اور یہ مطلب نہیں کہ اس میں تکرار ظاہر کی جائے بلکہ اس سے بچنا چاہیے اگرچہ اس پر تشدید بھی ہو کیونکہ وہ پھر بھی ایک ہی حرف ہے کئی حرف تو نہیں ہیں (درۃ الفرید ملخصاً)

(۱۶) تفشی : اور یہ صفت صرف شین کی ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کے ادا میں آواز منہ کے اندر پھیل جاتی ہے۔ (درۃ الفرید)

(۱۷) استطالت[3] : اور یہ صفت صرف ضاؔد کی ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ اسکے ادا میں شروع مخرج سے آخر تک یعنی حافہ زبان کے شروع سے حافہ[4] زبان کے آخر تک آواز کو امتداد رہتا ہے یعنی اس کا مخرج جتنا

---

[1] لاؔم و راؔء میں صفتِ انحراؔف کا مطلب یہ ہوا کہ ان دونوں میں اپنے مخرج سے متجاوز ہو کر ایک دوسرے کی طرف مائل ہونے اور پھرنے کی حالت پائی جاتی ہے چنانچہ لام میں ادنیٰ حافہ سے ابتدا ہوتی ہے اور پھر طرفِ لسان یعنی راء کے مخرج کی طرف میلان ہوتا ہوا پایا جاتا ہے اور راء میں کہ طرف لسان سے شروع ہوتی ہے اور پھر ظہر لسان اور قدرے لام کی طرف مائل ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اسی لیے تو تلا بچہ راؔء کو لام بولتا ہے کہ اس سے اسی انحراف کی وجہ سے راؔء لام میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ (نہایۃ القول ص ۵۲)

[2] صفت تکرؔیر کی تعریف ہے۔ ”حرف کے تلفظ کے وقت زبان میں ارتعاش ہونا۔“ اور یہ صفت صرف راؔء میں پائی جاتی ہے۔ مگر اس صفت کو ایسی لطافت سے ادا کرے کہ راء مکرر نہ ہو جائے اور یہ جب ہوتا ہے کہ اس صفت کو ظاہر کر کے پڑھنے کی کوشش کرے حالانکہ چھپا کر ادا کرنا چاہیے کیونکہ ارتعاش کو آواز سے کیا تعلق؟ خواہ مشدد ہی ہو جیسے کَرَّۃٌ۔ مَرَّۃٌ صفت ازلاق کا تقاضا بھی یہی ہے۔ [3] دراز شدن کمانی م۔ منہ

[4] اس عبارت سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ حافہ کی ابتدا ناجذ کے مقابل سے ہوتی ہے اور یہ اقصیٰ حافہ ہے اور انتہا اس حصہ پر ہوتی ہے جو ضاحک کے مقابل ہے اور یہی ادنیٰ حافہ ہے جس سے لام کے مخرج کی ابتدا ہوتی ہے یعنی مخرج کی لمبائی کی وجہ سے آواز میں قدرے لمبائی ہوتی ہے۔ ضاد اور ظاء میں بڑا فرق

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

طویل ہے پورے مخرج میں آواز جاری رہنے سے آواز بھی طویل ہو جاتی ہے- (جہد المقل)

فائدہ (۱) : اگر کسی کو شبہ ہو کہ یہ سات صفت جو اخیر کی ہیں جن حروف میں یہ صفات نہ ہوں ان میں انکی ضد ضرور ہو گی مثلاً ض میں استطالت ہے تو باقی سب حروف میں عدم استطالت ہو گی تو یہ دونوں ضد مل کر بھی سب کو شامل ہو گئیں- پھر صفات متضادہ و غیر متضادہ میں کیا فرق رہا جواب اسکا یہ ہے کہ یہ تو صحیح ہے مگر صفات متضادہ ہیں ہر صفت کی ضد کا کچھ نہ کچھ نام [1] بھی تھا اور ان دونوں ناموں میں سے ہر حرف پر کوئی نہ کوئی صادق آتا ہے اور چونکہ یہاں ضد کا نام نہیں اس لیے اس ضد کے صادق آنے کا اعتبار نہیں کیا گیا دونوں صفات میں یہ فرق ہوا-

فائدہ (۲) : محض مخارج و صفات حروف کے دیکھ کر اپنے ادا کے صحیح ہونے کا یقین نہ کر بیٹھے اس میں ماہر مشاق استاد کی ضرورت ہے البتہ جب تک ایسا استاد میسر نہ ہو بالکل کورا ہونے سے کتابوں ہی سے کام چلانا غنیمت ہے-

فائدہ (۳) : اس لمعہ کے شروع میں صفت لازمہ ذاتیہ کی تعریف میں لکھا گیا ہے کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو وہ حرف ہی نہ رہے یہ حرف نہ رہنا کئی طرح ہے ایک یہ کہ دوسرا [2] حرف ہو جائے ایک یہ کہ رہے تو وہی مگر اس میں کچھ کمی اور نقصان آجائے [3] ایک یہ کہ وہ کوئی عربی حرف نہ رہے کوئی حرف مخترع [4] ہو جائے اور یہی حال ہے صحیح مخارج سے نہ نکالنے کا کہ کبھی دوسرا حرف ہو جاتا ہے کبھی اس حرف میں کچھ کمی ہو جاتی ہے

(گذشتہ سے پیوستہ) تو مخرج سے ہے کہ دونوں کا مخرج جدا ہے دوسرا فرق اس صفت استطالت سے ہوتا ہے کہ یہ صرف ضاد میں ہے باقی تمام صفات متضادہ میں دونوں مشترک ہیں اور صفات کے اس اشتراک کے باعث ہی کہا گیا ہے کہ ضاد مشابہ بالظاء ہے- یہ تشابہ قائم کرنا اور عین ظاء ہونے سے بچانا فن ادا کا ایک نازک مسئلہ ہے جس کے لیے مشاق اساتذہ سے استفادہ کرنا ضروری ہے تاہم یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آواز کی لمبائی میں مبالغہ نہ کرے معمولی درازی ہے الف کی مقدار سے بھی کم' مزید بحث کتاب کے آخر اوراق "تتمہ" میں دیکھیں-

[1] اور نام نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عدم استطالت مثلاً کوئی مفہوم وجودی نہیں بلکہ سلبی ہے اور اشیاء کی تعریفیں حقائق ثابتہ اور نفس الامری مفہوم کے مقابلہ میں ہوتی ہیں اس لیے عدمِ استطالت نہ صفت مانی گئی اور نہ ہی کوئی نام تجویز کیا گیا- ایسا کرنا شان علمی کے منافی ہے-

[2] مثلاً طاء میں صفت استعلا واطباق ادا نہ ہونے سے تا ہو جائے گی-

[3] مثلاً قلقلہ نہیں کیا یا شین میں تفشی ادا نہ ہوئی-

[4] یعنی کوئی غیر عربی حرف ہو جائے مثلاً دال ڈال سے بدل جائے- ہم نے ملایا والوں میں اکثر اس کا مشاہدہ کیا-

کبھی بالکل ہی حرف مخترع بن جاتا ہے- چونکہ ایسی غلطی سے بعض دفعہ نماز جاتی رہتی ہے اس لیے اگر ایسی غلطی ہو جائے تو خاص اس موقع سے اطلاع دے کر کسی معتبر عالم سے مسئلہ پوچھ لینا ضروری ہے اسی طرح زبر زیر یا گھٹاؤ بڑھاؤ کی غلطیوں کا یہی حکم ہے جس کی مثالیں دوسرے لمعہ میں مذکور ہیں ان کو بھی عالم سے پوچھ لیا کریں-

فائدہ (۴) : حروف کے مخارج اور صفاتِ لازمہ میں کوتاہی ہونے سے جو غلطیاں ہوتی ہیں فن تجوید کا اصلی مقصود انہی غلطیوں سے بچنا ہے اسی واسطے مخارج اور صفات کا بیان سب قاعدوں سے مقدم کیا گیا ہے اب آگے جو صفات محسنہ؎۱ کے متعلق قاعدے آئیں گے وہ اس مقصود مذکور سے دوسرے درجہ پر ہیں لیکن اب عام طور سے ان دوسرے درجہ کے قاعدوں کی رعایت اس اصلی مقصود سے زیادہ کی جاتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان قاعدوں سے نغمہ خوشنما ہو جاتا ہے اور لوگ نغمہ ہی کا زیادہ خیال کرتے ہیں اور مخارج و صفات لازمہ کو نغمہ میں کوئی دخل نہیں اس لیے اس کی طرف توجہ کم کرتے ہیں-

فائدہ (۵) : جس طرح یہ بے پروائی کی بات ہے کہ تجوید میں کوشش نہ کرے اسی طرح یہ بھی زیادتی ہے کہ تھوڑے سے قاعدے یاد کر کے اپنے کو کامل سمجھنے لگے اور دوسروں کو حقیر اور ان کی نماز کو فاسد جاننے لگے یا کسی کے پیچھے نماز ہی نہ پڑھے- محقق عالموں نے عام مسلمانوں کے گنہگار ہونے کا اور ان کی نمازوں کے درست نہ ہونے کا حکم نہیں کیا اس میں اعتدال کا درجہ قائم کرنا ان علماء کا کام ہے جو قرآءت کو ضروری قرار دینے کے ساتھ فقہ اور حدیث پر نظر رکھتے ہیں اس مسئلہ کی تحقیق دوسرے لمعہ میں دیکھ لو-

چھٹا لمعہ

جاننا چاہیے کہ یہ صفات سب حرفوں میں نہیں ہوتیں- صرف آٹھ؎۲ حرف ہیں جن میں مختلف حالتوں میں مختلف صفات کی رعایت ہوتی ہے وہ حروف یہ ہیں ل- ر- م ساکن و مشدد نونؔ ساکن و مشدد اور

؎۱ محسنہ یعنی حرفوں کو خوبصورت بنانے والی صفتیں محلیہ حرفوں کو زینت بخشنے والی صفتیں- مگر ان صفتوں کو زیادہ تر صفاتِ عارضہ بولتے ہیں- مطلب یہ کہ یہ حرفوں میں ہمیشہ نہیں ہوتیں بلکہ کبھی ہوتی ہیں اور کبھی نہیں اور اگر یہ ادا نہ ہوں تو ان حروف کی ذات و حقیقت خراب نہیں ہوتی بلکہ خوبصورتی میں فرق آتا ہے-

؎۲ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ فن تجوید میں صرف آٹھ ہی حرفوں میں صفاتِ عارضہ ہوتی ہیں چنانچہ فن کی کتابوں میں ادغام صغیر و کبیر کا ذکر بھی ہے جو صفت عارضہ ہی ہے- اور بہت حرفوں میں پائی جاتی ہے- بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کتاب میں کہ جو ابتدائی طلبہ کیلئے ہے اور مختصر ہے صرف آٹھ ہی حرفوں کی صفات عارضہ کا ذکر ہو گا جن کا مجموعہ اَوْیَرْمَلَانْ ہے-

نون ساکن میں تنوین بھی داخل ہے کیونکہ وہ اگرچہ لکھنے میں نون نہیں ہے مگر پڑھنے میں نون ہے جیسے ب پر اگر دو زبر پڑھو تو ایسا ہو گا جیسے [1] ابَنْ پڑھو ا جس سے پہلے ہمیشہ زبر ہی ہوتا ہے و ساکن جب کہ اس سے پہلے پیش یا زبر ہو ی ساکن جب کہ اس سے پہلے زیر یا زبر ہو- دیکھو لمعہ ۴ مخرج نمبر ا ہمزہ اور ہمزہ کی حقیقت مخرج اول میں بیان کی گئی ہے پھر دیکھ لو اور ان حرفوں میں جو ایسی صفات ہوتی ہیں ان میں بعض صفات تو خود استاد کے پڑھانے ہی [2] سے ادا ہوتی ہیں اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں مثلاً الف- واؤ اور یاء اور ہمزہ کا کہیں ثابت رہنا اور کہیں حذف ہو جانا صرف ان صفات کو بیان کیا جاتا ہے جو پڑھانے سے سمجھ میں نہیں آتیں خود ارادہ کرنا پڑتا ہے جیسے پُر پڑھنا اور باریک پڑھنا اور غنہ کرنا یا نہ کرنا اور مد کرنا یا نہ کرنا اب ان آٹھوں حرفوں کے قاعدے الگ الگ مذکور ہوتے ہیں-

ساتواں لمعہ (لام کے قاعدوں میں)

لفظ اللہ کا جو لام ہے اس سے پہلے اگر زبر والا یا پیش والا حرف ہو تو اس لام کو پر کر کے پڑھیں گے جیسے اَرَادَ اللّٰہُ- رَفَعَهُ اللّٰہُ اور اس [3] پُر کرنے کو تفخیم کہتے ہیں اور اگر اس سے پہلے زیر والا حرف ہو تو اس لام کو باریک پڑھیں گے جیسے بِسْمِ اللّٰہِ اور اس باریک پڑھنے کو ترقیق کہتے ہیں اور لفظ اللہ کے سوا جتنے لام ہیں سب باریک پڑھے جائیں گے جیسے مَاوَلّٰهُمْ اور كُلَّهٗ

تنبیہ : اَللّٰهُمَّ میں بھی یہی قاعدہ ہے جو اللہ میں ہے کیونکہ اس کے اول میں بھی یہی لفظ اَللّٰه [4] ہے-

---

[1] نون ساکنہ وہ نون ہے جو مرسوم ہو اور اس پر حرکت نہ پڑھی جائے- تنوین وہ نون ساکنہ ہے جو اسم کے آخر میں لاحق ہو اور مرسوم نہ ہو- نون ساکنہ و نون تنوین میں یہ فرق ہے- (۱) نون ساکنہ وقف و صل دونوں حالتوں میں پڑھا جائے گا اور نون تنوین صرف وصل میں پڑھا جاتا ہے وقف میں نہیں- (۲) نون ساکنہ مرسوم ہوتا ہے (سوائے وَلَيَكُوْنًا- (یوسف) اور لَنَسْفَعًا (علق کے) نون تنوین نہیں (سوائے لفظ كَاَيِّنْ کے جہاں بھی ہو) (۳) نون ساکنہ کلمہ کے درمیان اور آخر ہر جگہ آسکتا ہے- تنوین ہمیشہ آخر کلمہ میں ہوتی ہے- (۴) نون ساکنہ کلمہ کی تینوں قسموں (اسم فعل حرف) میں ہوتا ہے اور نون تنوین ہمیشہ آخر اسم میں ہوتا ہے- [2] مثلاً التقاء ساکنین کی وجہ سے پہلے ساکن حرف مد کو حذف کرنا جیسے اَقِيْمُو الصَّلٰوةَ یا کسرہ دے کر پڑھنا مثلاً قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ وغیرہ- [3] تفخیم کے معنی پُر پڑھنے کے ہیں جس طرح حروف مستعلیہ اور مطبقہ میں ہونٹوں کو گول ہونے سے بچانا چاہیے اس طرح لام مفخم میں اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہونٹ گول نہ ہوں اور لام اسم الجلالہ میں تفخیم بھی کامل ہو-

[4] پس سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ اور قَالُوا اللّٰهُمَّ میں لام پُر ہو گا اور قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ میں باریک ہو گا-

آٹھواں لمعہ (راء کے قاعدوں میں)

قاعدہ (۱) : اگر راء پر زبر یا پیش ہو اس راء کو تفخیم سے یعنی پُر پڑھیں گے جیسے رَبُّكَ رُبَمَا اور اگر راء پر زیر ؎۱ ہو تو اس کو ترقیق سے یعنی باریک پڑھیں گے جیسے رِجَالٌ۔

تنبیہ (۱) : را مشددہ بھی ایک راء ہے پس خود اس کی حرکت کا اعتبار کر کے اس کو پُر یا باریک پڑھیں گے جیسے سِرًّا کی راء کو پُر پڑھیں گے اور دُرِّيٌّ کی راء کو باریک اور اس کو اگلے قاعدہ ۲ میں داخل نہ کہیں گے جیسے بعض ناواقف اس کو دو راء سمجھتے ہیں پہلی ساکن اور دوسری متحرک یہ غلطی ہے۔

قاعدہ (۲) : اور اگر راء ؎۲ ساکن ہو تو اس سے پہلے والے حرف کو دیکھو کہ اس پر کیا حرکت ہے اگر زبر یا پیش ہو تو اس راء کو پُر پڑھیں گے جیسے۔ بَرْقٌ يُرْزَقُوْنَ اور اگر زیر ؎۳ ہے تو اس راء کو باریک پڑھیں گے جیسے اَنْذِرْهُمْ لیکن ایسی راء کے باریک ہونے کی تین شرطیں ہیں ایک شرط یہ ہے کہ یہ کسرہ اصلی ہو عارضی نہ ہو کیونکہ اگر عارضی ہو گا تو پھر یہ راء باریک نہ ہو گی جیسے اِرْجِعُوْا دیکھو راء ساکن بھی ہے اور اس سے پہلے حرف یعنی ہمزہ پر زیر بھی ہے مگر چونکہ یہ زیر ؎۴ عارضی ؎۵ ہے اس لیے اس راء کو پُر ؎۶ پڑھیں گے لیکن بدون عربی پڑھے ہوئے اس کی پہچان نہیں ہو سکتی کہ کسرہ یعنی زیر اصلی کہاں ہے اور عارضی کہاں ہے جہاں جہاں شبہ ہو کسی عربی داں سے پوچھ کر اس قاعدے پر عمل کرے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ یہ کسرہ اور یہ راء دونوں ایک کلمہ میں ہوں اگر دو

؎۱ راء مکسورہ باتفاق باریک ہوتی ہے خواہ کسرۂ لازمہ ہو جیسے رِجَالٌ یا عارضہ جیسے وَاَنْذِرِ الَّذِيْنَ کسرۂ کاملہ ہو جیساکہ مثالیں گزریں یا ناقصہ ہو جیسے وَالْفَجْرِ۝ پر وقف بالروم کیا جائے یا جیسے مَجْرِيهَا میں راء ممالہ ہے وسط میں ہو جیسے تُحَرِّمُ یا طرف میں جیسے وَالْقَمَرِ (حالت وصل) مُنَوَّنہ ہو جیسے مُّقْتَدِرٍ یا غیر مُنَوَّنہ مثال گزر چکی ہے ما قبل ساکن ہو مثلاً اَلدَّارِ یا متحرک مثلاً اَرِنَا۔ عام اس سے کہ اسکے بعد حرف مستعلیہ واقع ہو مثلاً اَلرِّقَابِ یا مستفلہ مثلاً رِزْقاً مشدد ہو یا مخفف جیساکہ امثلہ گزریں۔ (نہایۃ القول المفید ص ۹۰) ؎۲ خواہ راء کا سکون اصلی ہو جیسے وَانْحَرْ یا عارضی جیسے وَدُسُرٍ۝ اور نَهَرٍ۝ پر سکون کے ساتھ وقف کریں تو راء پُر پڑھیں گے اگرچہ سکون عارضی ہے۔ ؎۳ راء ساکن ما قبل مکسور باریک ہوتی ہے خواہ سکون اصلی ہو جیسے فَانْتَصِرْ۝ یا عارضی بوجہ وقف کے ہو جیسے حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۝

؎۴ لدفع تعذر الابتداء بالسکون۔ منہ۔ ؎۵ کیونکہ اِرْجِعُوْا میں ہمزہ وصلی ہے اور ہمزہ وصلی بذات خود عارضی ہوتا ہے لہذا اس کی حرکت بھی عارضی ہوئی۔

؎۶ لان الاصل فی الراء التفخیم کما الاصل فی اللام الترقیق. منہ

کلموں؎۱ میں ہوں گے تو بھی راء باریک نہ ہوگی جیسے رَبِّ؎۲ ارْجِعُوْنِ اَمِ؎۳ ارْتَابُوْا؎۴ (درۃ الفرید)

اور اس شرط کا پہچاننا بہ نسبت پہلی شرط کے آسان ہے کیونکہ کلموں کا ایک یا دو ہونا اکثر ہر شخص کو معلوم ہو جاتا ہے تیسری شرط یہ ہے کہ اس راء کے بعد اسی کلمہ میں حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف نہ ہو اگر ایسا ہوگا تو پھر راء کو پر پڑھیں گے اور ایسے حرف سات ہیں جن کا بیان پانچویں لمعہ کے نمبر ۵ میں آچکا ہے جیسے قِرْطَاسٍ، اِرْصَادًا، لَبِالْمِرْصَادِ، فِرْقَةٍ ان سب میں راء کو پُر پڑھیں گے اور تمام قرآن میں اس قاعدہ کے یہی چار؎۵ لفظ پائے جاتے ہیں اور ویسے بھی اس کا پہچاننا آسان ہے۔

تنبیہ (۱): تیسری شرط کے موافق لفظ كُلُّ فِرْقٍ کی راء میں بھی تفخیم ہوگی لیکن چونکہ قاف پر بھی زیر؎۶ ہے اس لیے بعض قاریوں کے نزدیک اس میں ترقیق ہے اور دونوں امر جائز ہیں۔

تنبیہ (۲): تیسری شرط میں جو یہ لکھا ہے کہ اگر ایسی راء کے بعد اسی کلمہ میں حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف ہوگا تو اس کو پُر پڑھیں گے تو اسی کلمہ کی قید اس لیے لگائی کہ دوسرے کلمہ میں حروف مستعلیہ کے ہونے کا اعتبار نہ کریں گے جیسے اَنْذِرْ قَوْمَكَ، فَاصْبِرْ صَبْرًا؎۷ اس میں راء کو باریک ہی پڑھیں گے۔

قاعدہ (۳): اور اگر راء ساکن سے پہلے والے حروف پر حرکت نہ ہو وہ بھی ساکن ہو اور ایسا حالت وقف میں ہوتا ہے جیسا ابھی مثالوں میں دیکھو گے تو پھر اس حرف سے پہلے والے حرف کو دیکھو اگر اس پر زبر یا پیش ہو تو راء کو پر پڑھو جیسے لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ بِكُمُ الْعُسْرَ ۝ کہ ان میں راء بھی ساکن اور دال اور سین بھی ساکن اور قاف پر زبر اور عین پر پیش ہے اس لیے ان دونوں کلموں کی راء کو پُر پڑھیں گے اور اگر اس پر زیر ہے تو راء کو باریک پڑھو جیسے ذِي الذِّكْرِ ؕ کہ را بھی ساکن اور کاف بھی ساکن اور ذال پر زیر ہے اس لیے اس راء کو باریک پڑھیں گے۔

؎۱ اس کو کسرہ منفصلہ کہتے ہیں۔ ؎۲ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لور اَلَّذِي ارْتَضٰى میں اگرچہ کسرہ اصلی ہے مگر منفصل ہونے کی وجہ سے راء پر ہوگی۔ ؎۳ و كسرة الميم عارض ايضاً لاجتماع الساكنين فيفخم هذه الراء لفقدا لشرطين هذا اول – منهٗ

؎۴ اَمِ ارْتَابُوْا اصل میں اَمْ ارْتَابُوْ ہے راء ساکنہ کے ماقبل کسرہ منفصل بھی ہے لور عارضی بھی۔ ؎۵ البتہ مِرْصَادْ دو جگہ ہے كَانَتْ مِرْصَادًا (سورۂ نبا) اور لَبِالْمِرْصَادِ (والفجر) ؎۶ اور ق حرف مستعلیہ ہے اور راء کی تفخیم کا سبب ہے مگر مکسور ہونے کی وجہ سے اس کی تفخیم ضعیف ہوگئی جیسا کہ بتلایا گیا ہے کہ کسرہ کی وجہ سے عارضی التفخیم حروف باریک ہو جاتے ہیں اور لازمی التفخیم حرفوں کی تفخیم میں ضعف آجاتا ہے۔

؎۷ اور وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ۔

تنبیہ (۱): لیکن اس راء ساکن سے پہلے جو حرف ساکن ہے اگر یہ حرف ساکن یٓ ہو تو پھر یٓ سے پہلے والے حرف کو مت دیکھو پس راء کو ہر حال میں باریک پڑھو خواہ یٓ سے پہلے کچھ ہی حرکت ہو جیسے خَیْرٌ ط قَدِیْرٌ ط کہ ان دونوں راء کو باریک ہی پڑھیں گے۔

تنبیہ (۲): اس قاعدہ نمبر ۲ کے موافق لفظ مِصْرَ اور عَیْنَ الْقِطْرِ پر جب وقف کیا جائے تو راء کو باریک ہونا چاہیے مگر قاریوں نے ان دونوں لفظوں کی راء کو باریک[1] اور پُر[2] دونوں طرح پڑھا ہے اور اس لیے دونوں طرح پڑھنا جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ خود راء پر جو حرکت ہو اس کا اعتبار[3] کیا جائے پس مِصْرَ میں تفخیم اولیٰ ہے کہ راء پر زبر ہے اور اَلْقِطْرِ میں ترقیق اولیٰ ہے کہ راء پر زیر ہے۔

تنبیہ (۳): اس قاعدہ نمبر ۳ کی بنا پر سورۂ والفجر میں اِذَا یَسْرِ ۝ پر جب وقف ہو اس کی راء مفخم ہونا چاہیے لیکن بعض قاریوں نے اس کے[4] باریک پڑھنے کو اولیٰ لکھا ہے مگر یہ روایت ضعیف[5] ہے اس لیے اس راء کو قاعدۂ مذکورہ کے موافق پر ہی پڑھنا چاہیے۔

---

[1] علامہ ابو عمرو دانی اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ (نشر ص ۱۰۶ ج ۲) [2] امام ابو عبد اللہ بن شُریح وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ (نشر) [3] علامہ جزریؒ نے یہی اختیار کیا ہے۔ (نشر) [4] لان اصله یسری فرققوا الراء لیدل علی الیاء المحذوفة منهٗ [5] حقیقت یہ ہے کہ فَاَسْرِ ۔ اَنْ اَسْرِ ۔ وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ ۔ وَنُذُرِ پانچوں کلمات میں اور اَلْجَوَارِ (شوریٰ۔ رحمٰن۔ کورت) راء پر وقف اگر بالاسکان کیا جائے تو راء میں تفخیم اور ترقیق دونوں جائز ہیں یہ پانچوں کلمات اصل میں یاء کے ساتھ ہیں۔ پہلے دو کلمے اصل میں اَسْرِی تھے آخر سے یائے مدہ حالت بنائی کی وجہ سے حذف ہو گئی۔ یَسْرِ بھی اصل میں یَسْرِیْ ہے رعایت فواصل کی وجہ سے یاء حذف ہوئی اسی طرح نُذُرِیْ میں یاء اضافت رعایت فواصل کے لیے حذف ہوئی۔ راء پر سکون عارض ہونے اور ما قبل مفتوح یا مضموم ہونے کی وجہ سے تفخیم ہے اور کلمہ کی اصل پر دلالت کرنے کے لیے اور اس وجہ سے کہ آخر سے یاء کا حذف عارضی ہے اور عارضی حذف کو معتبر نہ سمجھتے ہوئے بلکہ اس یاء کو مثل باقی کے قرار دے کر راء کو باریک بھی پڑھا گیا ہے اور اَلْجَوَارِیْ کی یاء متطرفہ بھی بقاعدہ قاضِ حذف ہوئی ہے۔ علامہ جزریؒ ترقیق کو ترجیح دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں: وکذالك الحکم فی واللیل اذا یسر فی الوقف بالسکون علی قراءة من حذف الیاء فحینئذ یکون الوقف علیه بالترقیق اولی۔ (نشر ص ۱۱۱ ج ۲) اور شیخ علی بن محمد ضباع شرح شاطبیہ میں فرماتے ہیں: لکن یستحسن الترقیق فی اذا یسر ونذر علی قراءة حذف الیاء فیهما للدلالة علی الیاء اوللفرق بین کسرة الاعراب و کسرة البناء۔ (ارشاد المرید للضباع ص ۱۸۷ علیٰ حاشیۃ الابراز) صاحب غیث النفع اِذَا یَسْرِ میں اثبات و حذف یاء کی دو قراءتوں کا اختلاف بتلا کر مختصر تفریع فرماتے ہیں کہ اثبات یاء والوں کے یہاں راء باریک اور حذف والوں کے یہاں پُر ہو گی لیکن کلام میں اختصار ہے۔ (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

قاعدہ (۴) : راء کے بعد[۱] ایک جگہ قرآن مجید میں امالہ ہے توراء کی اس حرکت کو زیر سمجھ کر راء کو باریک پڑھیں اور وہ جگہ یہ ہے بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرِىٰهَا [۲] اس راء کو ایسا پڑھیں گے جیسا لفظ قطرے کی راء کو پڑھتے ہیں امالہ اسی کو کہتے ہیں جس کو فارسی والے یائے مجہول کہتے ہیں- پس مَجۡرِىٰهَا کی راء کو باریک[۳] پڑھیں گے-

قاعدہ (۵) : جوراء وقف کے سبب ساکن ہو تو ظاہر بات ہے کہ اس میں قاعدہ نمبر ۲ و نمبر ۳ کے موافق اس سے پہلے والے حرف کو اور کبھی اس سے پہلے والے حرف کو دیکھ کر اس راء کو باریک یا پُر پڑھنا چاہیے تو اس میں اتنی بات اور سمجھو کہ یہ پہلے والے حرفوں کو دیکھنا اس وقت ہے جبکہ وقف میں اس راء کو بالکل ساکن پڑھا جائے جیسا اکثر وقف کرنے کا عام طریقہ یہی ہے لیکن وقف کا ایک اور طریقہ بھی ہے جس میں وہ حرف جس پر وقف کیا ہے بالکل ساکن نہیں کیا جاتا بلکہ اس پر جو حرکت ہو اس کو بھی بہت خفیف سا ادا کیا جاتا ہے اور اس کو روم کہتے ہیں اور یہ صرف زیر اور پیش میں ہوتا ہے اس کا مفصل بیان لمعہ تیرہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا سو یہاں یہ بتلانا منظور ہے کہ اگر ایسی رآء پر روم کے ساتھ وقف کیا جائے تو پھر پہلے والے حرف کو نہ دیکھیں گے بلکہ خود اس راء پر جو حرکت ہوگی اس کے موافق پُر یا باریک پڑھیں گے جیسے وَالۡفَجۡرِ پر اگر اس طرح سے وقف کریں تو راء کو باریک پڑھیں اور مُنۡتَصِرٌ پر اگر اس طرح وقف کریں تو راء کو پُر پڑھیں-[۴]

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) پیش نظر اختلاف قرآءت بتانا ہے راء کی تفصیل میں وہ اثباتا یا نفیا جانا ہی نہیں چاہتے- والمفصل حجۃ علی المجمل- قاری ابو محمد محی الاسلام صاحب پانی پتی فرماتے ہیں فَاَسۡرِ اور اَنۡ اَسۡرِ کو جو ائمہ ہمزہ قطعی مفتوحہ سے پڑھتے ہیں ان کے لیے وقفا بعض تفخیم کہتے ہیں اور بعض بلحاظ اصل ترقیق چنانچہ یَسۡرِ میں مذکور ہوا محقق (علامہ جزریؒ) کہتے ہیں "ترقیق اولیٰ ہے" دانیؒ کی رائے میں تفخیم اولیٰ ہے اور یہی مذہب منصور ہے (سبعہ قرآءات ص ۲۴۴) مذکورہ عبارات سے ترقیق راء کا ضعیف ہونا مفہوم نہیں ہوتا ہے ان کلمات کی اصل کی طرف رجوع کرتے ہوئے اگر راء کی ترقیق کا جواز نکالا جائے تو کیا حرج ہے نیز تفصیل کے لیے دیکھو نہایۃ القول المفید ص ۹۴-

[۱] یعنی راء کے بعد الف میں ایک جگہ امالہ ہے امالہ کے معنی جھکانے کے ہیں یعنی الف کو یائے مدہ کی طرف جھکا کر پڑھنا [۲] ھو فی الاصل مجرھا بالالف فامیلت- منہ [۳] ولاینظر الی انہ فی الاصل الف والراء مفتوحۃ وحکم ھذہ الراء التفخیم- منہ [۴] اس تمام قاعدہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ وقف بالروم میں جو زیر اور پیش میں ہوتا ہے رائے مکسورہ موقوفہ بالروم کو باریک اور راء مضمومہ موقوفہ بالروم کو پُر پڑھیں گے، جس طرح وصل میں راء مکسورہ باریک اور راءِ مضمومہ پُر ہوتی ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ روم میں راء مثل وصل کے ہوتی ہے-

نواں لمعہ

(میم ساکن اور مُشدّد کے قاعدوں میں)

قاعدہ (۱) :

میم اگر مشدد ہو تو اس میں غُنّہ ضروری ہے اور غنّہ کہتے ہیں ناک میں آواز لے جانے کو جیسے لَمَّا اور اس حالت میں اس کو حرفِ غُنّہ [1] کہتے ہیں۔

فائدہ :

غُنّہ کی مقدار ایک الف [2] ہے اور الف کی مقدار دریافت کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کھلی ہوئی انگلی کو بند کرلے یا بند انگلی کو کھول لے اور یہ محض ایک انداز [3] ہے باقی اصل دارومدار استاد مشاق سے سننے پر ہے۔

قاعدہ (۲) :

میم اگر ساکن ہو تو اسکے بعد دیکھنا چاہیے کیا حرف ہے اگر اسکے بعد بھی میم ہے تو وہاں ادغام ہوگا یعنی دونوں میمیں ایک ہوجائیں گی اور مثل ایک میم مشدد کے اس میں غنّہ ہوگا (حقیقۃ التجوید) جیسے اِلَیْکُمْ مُّرْسَلُوْنَ ط اور اس [4] کو ادغام صغیر مثلین کہتے ہیں اور اگر میم ساکن کے بعد باء ہے تو وہاں غُنّہ کے ساتھ اخفاء

---

[1] کیونکہ حروفِ غُنّہ کی طرح میم مشدد میں بھی غُنّہ کو ظاہر کرنا ضروری ہے۔ (نہایۃ القول المفید)

[2] اسی لیے علمائے تجوید نے فرمایا ہے کہ مثل مدِ طبعی کے غُنّہ دو حرکتوں کی مقدار سے نہ زیادہ ہونا چاہیے اور نہ کم۔ غُنّہ کو ظاہر کرنے کے لیے کچھ تراخی اور زمانہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اس تراخی میں مبالغہ کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ (تمہید)

[3] اور نہایت ضروری ہے کہ میم مشدد سے پہلے حرفِ مد پیدا نہ ہو جیسا کہ بعض لوگوں میں یہ تکلف پایا جاتا ہے کہ لَمَّا کو لَامَّا، مِمَّ کو مِیْمَّ کہتے ہیں۔

[4] مگر یہ وہم نہ ہونا چاہیے کہ میم ساکن کے بعد میم آئے اور دونوں کو ملا کر مشدد کرلیا جائے تو صرف اسی کو ادغام صغیر مثلین کہتے ہیں بلکہ ہر اس جگہ یہ لفظ بولنا صحیح ہوگا جہاں ایک حرف ساکن ہو اور اس کے بعد پھر وہی حرف متحرک ہوکر آئے تو ان کو ملا کر ہی پڑھا جائے گا مثلاً مَنْ نَّشَآءُ، اِذْ ذَّهَبَ، فَمَارَ بِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وغیرہ وغیرہ یہ سب ادغام صغیر مثلین ہی کہلائے گا۔

ہوگا اور اس اخفاء کا مطلب[1] یہ ہے کہ اس میم کو ادا کرنے کے وقت دونوں ہونٹوں کے خشکی کے حصہ کو بہت نرمی کے ساتھ ملا کر غُنّہ کی صفت کو بقدر ایک الف کے بڑھا کر خیشوم سے اداء کیا جائے اور پھر اس کے بعد ہونٹوں کے کھلنے سے پہلے ہی دونوں ہونٹوں کے تری کے حصہ کو سختی کے ساتھ ملا کر باء کو ادا کیا جائے۔ (جہد المقل) جیسے وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ اور اس کو اخفاء[2] شفوی کہتے ہیں اور اگر میم ساکن کے بعد میم اور باء کے سوا اور کوئی حرف ہو تو وہاں میم کا اظہار ہوگا یعنی اپنے مخرج سے بِلا غُنّہ ظاہر کی جائے گی جیسے اَنْعَمْتَ اور اس کو اظہارِ شفوی کہتے ہیں۔

تنبیہ :

بعض حفاظ اس اخفاء و اظہار میں باء اور واؤ اور فا کا ایک ہی قاعدہ سمجھتے ہیں اور اس قاعدہ کا نام بوف کا قاعدہ رکھا ہے یعنی بعض تو تینوں میں اخفاء کرتے ہیں اور بعض تینوں میں اظہار کرتے ہیں اور بعض ان حرفوں کے پاس میم ساکن کو ایک گونہ حرکت دیتے ہیں جیسے عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ يَمُدُّهُمْ فِيْ یہ سب خلاف قاعدہ ہے پہلا اور تیسرا قول تو بالکل ہی غلط ہے اور دوسرا قول ضعیف ہے۔ (درۃ الفرید)

دسواں لمعہ

(نون ساکن اور مُشدّد کے قاعدوں میں)

اور چھٹے لمعہ کے شروع میں لکھ چکا ہوں کہ تنوین بھی نون ساکن میں داخل ہے وہاں پھر دیکھ لو مگر ان قاعدوں میں نون ساکن کے ساتھ تنوین کا نام بھی آسانی کے لیے لے دیا جائے گا۔

قاعدہ (۱) :

نون اگر مشدد ہو تو اس میں غُنّہ ضروری ہے اور مثل میم مشدد کے اس کو بھی اس حالت میں حرفِ غُنّہ

---

[1] میم میں اخفاء ادا کرنے کے طریقہ کو واضح کرنا مقصود ہے۔ مفہوم کے لحاظ سے اس قدر سمجھنا کافی ہے کہ میم کو مضبوطی کے ساتھ اطباقِ شفتین سے ادا نہ کیا جائے بلکہ ہونٹوں کو نرمی سے ملا کر میم ادا کی جائے اور اس حالت میں خیشوم سے غنہ ظاہر کرنے پر زور دیا جائے کیونکہ اخفاء کے معنی ہیں ذاتِ حرف کو واضح کرنے کے بجائے چھپا کر ادا کرنا۔

[2] کیونکہ باء اور میم دونوں شفتین سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔

کہیں ؎۱ آگے - نویں لمعہ کا پہلا قاعدہ پھر دیکھ لو-

قاعدہ (۲) :

نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حروفِ حلق میں سے کوئی حرف آئے تو وہاں نون کا اظہار کریں گے یعنی ناک میں آواز نہ لے جائیں گے اور غنہ بھی نہ کریں گے جیسے اَنْعَمْتَ، سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ وغیرہ اور اس اظہار کو اظہار حلقی کہتے ہیں اور حروفِ حلقیہ چھ ہیں جو اس شعر میں جمع ہیں-؎

حرفِ حلقی چھ سمجھ اے نورِ عین   ہمزہ ہاؤ حاؤ خاؤ عین و غین

چوتھے لمعہ میں مخرج (۱) و (۲) و (۳) و (۴) کو پھر دیکھ لو اور اظہار کا مطلب ؎۲ نویں لمعہ کے دوسرے قاعدہ میں پھر دیکھ لو-

قاعدہ (۳) :

نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر ان چھ حرفوں میں سے کوئی حرف آئے جن کا مجموعہ يَرْمَلُوْنَ ؎۳ ہے تو وہاں ادغام ہوگا یعنی نون اسکے بعد والے حرف سے بدل کر دونوں ایک ہو جائیں گے جیسے مِنْ لَّدُنْهُ دیکھو نون کو لام بنا کر دونوں لام کو ایک کر دیا چنانچہ پڑھنے میں صرف لام آتا ہے اگرچہ لکھنے میں نون بھی باقی ہے مگر ان چھ حرفوں میں اتنا فرق ہے کہ ان میں سے چار حرفوں میں تو غُنّہ بھی رہتا ہے اور یہ غُنّہ مثل نون مشدد کے بڑھا کر پڑھا جاتا ہے ان چاروں کا مجموعہ ہے يَنْمُوْ ۴ جیسے مَنْ يُّؤْمِنُ، بَرْقٌ يَّجْعَلُوْنَ وغیر ذلک۔ ۵ اور اسکو ادغام مع الغُنّہ کہتے ہیں اور دو جو رہ گئے یعنی ر، ل ان میں غُنّہ نہیں ہوتا جیسے مِنْ لَّدُنْهُ مثال اوپر گذری ہے- اس میں ناک میں ذرا بھی آواز نہیں جاتی خالص لام کی طرح پڑھتے ہیں اور اس کو ادغام بِلا غُنَّہ کہتے ہیں اور نویں لمعہ کے قاعدہ نمبر ا و ۲ میں غنہ و ادغام ؎۶ کے معنی پھر دیکھ لو مگر اس ادغام کی ایک شرط یہ ہے کہ یہ نون اور یہ حرف ایک

؎۱ نون مشدد میں بھی غُنّہ ظاہر کرنا ضروری ہوتا ہے اور ظہور غُنّہ کیلئے تراخی اور مہلت ضروری ہے مگر یہ تراخی مد طبعی کی مقدار سے زیادہ نہ ہو نیز نون کی ادائیگی سے پیشتر حرف مد کی تولید سے احتراز نہایت ضروری ہے اِنَّ، اِينَّ نہ ہو جائے ؎۲ یعنی حرف کو اس کے مخرج و صفات سے بغیر غنہ ظاہر کئے ہوئے ادا کرنا- ؎۳ ترجمہ اش این است 'خرامش می کنند آں چند مرداں منہ' ؎۴ ترجمہ: اش این است نمومی یابد آں یک مرد (منہ) ؎۵ مِنْ وَّالٍ، يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَه، مِنْ مَّاءٍ مَّهِيْنٍ، مَنْ نَّشَاءُ، اَمَنَةً نُّعَاسًا- ؎۶ ادغام کے معنی ہیں حرف ساکن کو حرف متحرک میں اس طرح ملا کر پڑھنا کہ دونوں ایک ساتھ مشدد ادا ہوں پہلے حرف کو مدغم اور دوسرے کو مدغم فیہ کہتے ہیں-

کلمہ میں نہ ہوں ورنہ ادغام نہ کریں گے بلکہ اظہار کریں گے جیسے دُنْیَا، قِنْوَانٌ، صِنْوَانٌ، بُنْیَانٌ اور تمام قرآن میں اس قاعدہ کے یہی چار لفظ پائے گئے ہیں اور ان میں جو اظہار ہوتا ہے اس کو اظہارِ مطلق کہتے ہیں۔

قاعدہ (۴) :

نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حرف باء آئے تو اس نون ساکن اور تنوین کو میم سے بدل کر غنہ اور اخفاء کے ساتھ پڑھیں گے جیسے مِنْ بَعْدِ، سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ اور بعض قرآنوں میں آسانی کیلئے ایسے نون و تنوین کے بعد ننھی سی میم بھی لکھ دیتے ہیں اس طرح مِنْ بَعْدِ اور اس بدلنے کو اقلاب اور قلب کہتے ہیں اور اس میم کے اخفاء کا مطلب اور ادا کرنے کا طریقہ بھی وہی ہے جو کہ اخفاء شفوی کا تھانویں لمعہ کا دوسرا قاعدہ پھر دیکھ لو۔

قاعدہ (۵) :

نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر ان تیرہ حرفوں کے سوا جن کا ذکر قاعدہ نمبر ۱، ۲، ۳، ۴ میں ہو چکا ہے اور کوئی حرف آئے تو وہاں نون اور تنوین کو اخفاء اور غنہ کے ساتھ پڑھیں گے اور وہ پندرہ حرف ہیں (۱) ت (۲) ث (۳) ج (۴) د (۵) ذ (۶) ز (۷) س (۸) ش (۹) ص (۱۰) ض (۱۱) ط (۱۲) ظ (۱۳) ف (۱۴) ق (۱۵) ک اور الف کو اس لیے شمار نہیں کیا کہ وہ نون ساکن کے بعد نہیں آسکتا (درۃ الفرید) اور اس اخفاء کا مطلب یہ ہے کہ نون ساکن اور تنوین کو اس کے مخرج اصلی (کنارۂ زبان اور تالو) سے علیحدہ رکھ کر اس کی آواز کو خیشوم میں چھپا کر اس طرح پڑھیں کہ نہ ادغام ہو نہ اظہار بلکہ دونوں کے درمیانی حالت ہو یعنی نہ تو اظہار کی طرح اس کے ادا میں سرِ زبان تالو سے لگے اور نہ ادغام کی طرح بعد والے حرف کے مخرج سے نکلے بلکہ بدون دخل[1] زبان کے اور بدون تشدید[2] کے صرف خیشوم سے غنہ کی صفت کو بقدر ایک الف کے باقی رکھ کر ادا کیا

---

[1] یعنی طرف زبان اور تالو کو نون مخفاۃ کی ادا میں دخیل نہ ہونے دے اگر معمولی طور پر طرف لسان تالو پر لگ جائے تو یہ اخفاء کی حقیقت کے منافی نہیں۔ بلکہ یاد رکھنا چاہیے کہ طرف لسان اور تالو میں اگر فاصلہ پیدا کیا جائے تو خلاءِ دہن میں آواز پھیل کر مدیت پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے یعنی اَنْذَرْتَھُمْ کی جگہ آنْذَرْتَھُمْ ہو سکتا ہے۔

[2] کیونکہ نون کے بعد والے حرف کے مخرج میں اگر نون کا غنہ ادا کیا گیا تو یہ ادغام مع الغنہ ہو جائے گا اور نون کے بعد حرف یاء صاف یا قدرے مشدد سنائی دے گا جو بالکل غلط ہے مثلاً اَنْفُسَھُمْ کے نون مخفاۃ کو ادا کرتے وقت اگر طرفِ ثنایا علیا کو نچلے ہونٹ کے اندرونی حصہ پر لگایا گیا تو یہ اخفاء صحیح نہ ہو گا۔

جائے اور جب تک اخفاء کی مشق کسی ماہر استاد سے میسر نہ ہو اس وقت تک صرف غنہ ہی کے ساتھ پڑھتا رہے کہ دونوں سننے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہی ہیں جیسے اَنْذَرْتَهُمْ۔ قَوْمًا ظَلَمُوْا وغیرہ مگر پھر بھی آسانی کے لیے اس اخفاء کی ایک دو مثال اپنی بول چال کے لفظوں میں بتلائے دیتا ہوں کہ کچھ تو سمجھ [1] میں آجائے وہ مثالیں یہ ہیں کنواں کنول، منہ، اونٹ، بانس، سینگ دیکھو ان لفظوں میں نون نہ تو اپنے مخرج سے نکلا اور نہ بعد والے حرف میں ادغام ہو گیا اور اس نون کے اخفاء کو اخفاء [2] حقیقی کہتے ہیں اور نون کے اظہار کو جس کا بیان قاعدہ نمبر ۲ میں ہوا ہے اظہار حلقی کہتے ہیں اور جس کا بیان قاعدہ نمبر ۳ میں ہوا ہے اظہار مطلق کہتے ہیں جس طرح میم کے اخفاء و اظہار کو شفوی کہتے ہیں جس کا بیان نویں لمعہ قاعدہ نمبر ۲ میں گذرا ہے۔

گیارھواں لمعہ

الف اور واؤ اور یاء کے قاعدوں میں

جبکہ یہ ساکن ہوں اور الف سے پہلے والے حرف [3] پر زبر ہو اور واؤ سے پہلے پیش ہو اور ی سے پہلے زیر ہو اور اس حالت میں ان کا نام مدہ ہے دیکھو لمعہ ۴ مخرج نمبر اور کھڑا زبر اور کھڑی زیر اور الٹا پیش بھی حروف مدہ میں داخل ہیں کیونکہ کھڑا زبر الف مدہ کی آواز دیتا ہے اور کھڑی زیر یائے مدہ کی اور الٹا پیش واؤ مدہ کی۔ اب ان قواعد کے بیان میں ہم فقط لفظ مدہ لکھیں گے ہر جگہ اتنے لمبے نام کون لکھے۔

قاعدہ (۱) :

اگر حرفِ مدہ کے بعد ہمزہ ہو اور یہ حرفِ مدہ اور یہ ہمزہ دونوں ایک کلمہ میں ہوں وہاں اس مدہ کو بڑھا کر پڑھیں گے اور اس بڑھا کر پڑھنے کو مد کہتے ہیں جیسے سَوَآءٌ، سُوْٓءًا، سِیْٓئَتْ اور اسکا نام مد متصل ہے اور اس کو

---

[1] کنواں، کنول وغیرہ جو مثالیں دی جا رہی ہیں یہ محض تقریب ذہنی اور تفہیم کے لیے ہیں ورنہ مثالوں میں اخفاء کی حقیقی آواز نہیں پائی جاتی تمام مثالوں میں مابعدِ نون والے حرف کی آواز کے ساتھ غنہ پایا جا رہا ہے۔ ہمارے خیال میں اخفاء بھی مثل ضاد کے عربی زبان کی خصوصیات میں سے ہے لہٰذا دوسری کسی زبان کے لفظ میں اس کی مثال ممکن نہیں۔

[2] اخفاء میم میں بھی ہوتا ہے مگر وہ اتنا قوی نہیں جتنا نون میں قوی ہے گویا اخفاء اصلی اور حقیقی طور پر نون ہی میں ہوتا ہے کیونکہ خیشوم (ناک کا بانسا) طرف لسان اور تالو سے ہونٹوں کے مقابلہ میں زیادہ قریب ہے لہٰذا بمقابلہ میم کے نون میں اخفاء اور غنہ زیادہ کامل ہے۔

[3] الف کی ہمیشہ یہی ایک حالت ہوتی ہے یعنی ساکن بے جھٹکے اور ما قبل مفتوح۔

مدواجب بھی کہتے ہیں اور مقدار اس کی تین الف یا چار الف ہے اور الف کے انداز کرنے کا طریقہ نویں لمعہ کے قاعدہ نمبر ۱ کے قاعدہ میں لکھا گیا ہے پس اس طریقہ کے موافق تین یا چار انگلیوں کو آگے پیچھے بند کر لینے سے یہ اندازہ حاصل ہو جائے گا مگر یہ مقدار اس مقدار کے علاوہ ہے جو حروف مدہ کی اصلی مقدار ہے مثلاً جَآءَ میں اگر مد نہ ہوتا تو آخر الف کی بھی تو کچھ مقدار ہے سو اس مقدار کے علاوہ [1] مد کرنے کی مقدار ہو گی۔

قاعدہ (۲) :

اگر حروفِ مدہ کے بعد ہمزہ ہو اور یہ حرفِ مدہ اور وہ ہمزہ ایک کلمہ میں نہ ہوں بلکہ ایک کلمہ کے اخیر میں تو حرف مدہ ہو اور دوسرے کلمہ کے شروع میں ہمزہ ہو وہاں بھی اس مدہ کو بڑھا کر یعنی مد کے ساتھ پڑھیں گے جیسے اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ، اَلَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ، قَالُوْٓا اٰمَنَّا مگر یہ مد اس وقت ہو گا جب دونوں کلموں کو ملا کر پڑھیں اور اگر کسی وجہ سے پہلے کلمہ پر وقف کر دیا تو پھر یہ مد نہ پڑھیں گے اور اس کو مد منفصل اور مد جائز [2] بھی کہتے ہیں [3] اور اس کی مقدار بھی تین یا چار الف ہے جیسے متصل کی تھی اور دونوں کی اگر الگ الگ کسی کو پہچان نہ ہو تو فکر نہ کریں کیونکہ دونوں ایک ہی طرح پڑھے جاتے ہیں۔

قاعدہ (۳) :

اگر ایک کلمہ میں حرف مدہ کے بعد کوئی حرف ساکن ہو جس کا سکون اصلی ہو یعنی اس پر وقف کرنے کے

---

[1] حضرت مصنفؒ کی مراد یہ ہے کہ مد متصل کی مقدار میں دو قول ہیں ایک قول میں بقدر چار الف اور دوسرے قول میں بقدر پانچ الف۔ اس سے زیادہ نہیں کیونکہ یہ کتاب روایت حفصؒ کے لیے لکھی گئی ہے اور حضرت حفصؒ کے یہاں مد متصل میں توسط ہوتا ہے اور توسط کی زیادہ سے زیادہ مقدار پانچ الف ہے ایک الف زیادہ ہو جائے یعنی بقدر چھ الف ہو جائے تو توسط نہیں بلکہ طول کہلاتا ہے جو کہ روایت حفصؒ میں جائز نہیں۔ مطلب یہ کہ روایت حفصؒ میں مد متصل میں طول نہیں بلکہ توسط ہے اور توسط زیادہ سے زیادہ بقدر پانچ الف ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ یہاں الف سے مراد حرکت ہے لہذا بات یہ نکلی کہ مد متصل میں توسط ہو گا بقدر چار حرکت یا پانچ حرکت مزید تفصیل کے لیے آخر کتاب میں "تتمہ" "بحث مقدار مد" ملاحظہ ہو۔

[2] تسمی بالجائز لان بعض الائمة لایوجبه۔ منہؒ

[3] اس قسم کو مد جائز حفصؒ کے ایک طریق (طریق جزریؒ) کے مطابق کہا گیا اس طریق میں مد کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہیں مگر بطریق شاطبیؒ مثل مد متصل کے اس میں مد کرنا ضروری ہے اور مد منفصل کی مقدار بھی مثل مد متصل کے زیادہ سے زیادہ چار یا پانچ حرکت ہو گی۔

سبب سے سکون نہ ہوا ہو جیسے آٰلْئٰنَ اس میں اول حرف ہمزہ ہے دوسرا حرف الف ہے اور وہ مدہ ہے اور تیسرا حرف لام ساکن ہے اور اس کا ساکن ہونا ظاہر ہے کہ وقف کے سبب نہیں ہے چنانچہ اس [۱] پر وقف نہ کریں تب بھی ساکن ہی پڑھیں گے تو ایسے [۲] مدہ پر بھی مد ہوتا ہے اور اس کا نام مد لازم ہے اور اس کی مقدار تین [۳] الف ہے اور ایسے مد کو کلمی مخفف کہتے ہیں۔

قاعدہ (۴) :

اگر ایک کلمہ میں حرف مدہ کے بعد کوئی حرف مشدد ہو جیسے ضَآلِّیْنَ اس میں الف تو مدہ ہے اور اس کے بعد لام پر تشدید ہے اس مدہ پر بھی مد [۴] ہوتا ہے اور اس کا نام بھی مد لازم ہے اور اس کی مقدار تین [۵] الف ہے اور ایسے مد کو کلمی مثقل کہتے ہیں۔

قاعدہ (۵) :

بعض سورتوں کے اول میں جو بعض حروف الگ الگ پڑھے جاتے ہیں جیسے سورۂ بقرہ کے شروع میں ہے الٓمّٓ یعنی الف لام میم انکو حروفِ مقطعہ کہتے ہیں ان میں ایک تو خود الف ہے اسکے متعلق تو یہاں کوئی قاعدہ [۶]

---

[۱] سکون اصلی اور سکون عارضی کا فرق سمجھانے کے لیے یہ بات فرمائی ورنہ لام پر وقف نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ وقف درمیان کلمہ پر جائز نہیں ہمیشہ کلمہ کے آخر میں ہوتا ہے۔

[۲] مد لازم کلمی مخفف کی تعریف اس طرح یاد کریں "حرف مد کے بعد والے حرف پر سکون اصلی ہو اور یہ حرف مد کلمہ قرآنی میں ہو" نیز واضح ہو کہ تمام قرآن میں (بروایت حفصؒ) مد لازم کلمی مخفف کی مثال صرف یہی ایک لفظ آٰلْئٰنَ ہے جو سورۂ یونس میں دو جگہ آتا ہے۔

[۳] مگر یاد رہے کہ یہاں حضرت مصنفؒ کی مراد ایک الف سے بقدر دو حرکت ہے گویا بقدر چھ حرکات طول ہوگا مد لازم کی چاروں قسموں میں باتفاق طول بقدر چھ حرکات ہوتا ہے۔ کیونکہ طول کی مقدار چھ حرکات ہی ہے۔ اس سے کم میں طول نہیں ہوتا۔

[۴] مختصر لفظوں میں تعریف اس طرح یاد رکھیں تو آسانی ہوگی "حرف مد کے بعد والے حرف پر تشدید ہو حرف مد کلمہ میں واقع ہو تو وہ مد لازم کلمی مثقل ہوتا ہے" جیسے اَتُحَآجُّوْنِّیْ وغیرہ

[۵] یہاں بھی یہی مناسب تھا کہ مقدار پانچ الف فرمائی جاتی تا کہ خلط فی الاقوال نہ ہو۔

[۶] الف کے تلفظ میں تین حرف ہیں ہمزہ' لام' فاء۔ تینوں میں سے کوئی بھی حرف مد نہیں لہٰذا مد کی بحث سے خارج ہے کیونکہ محل مد ہی موجود نہیں۔

نہیں اور اس کے سوا جو اور حروف رہ گئے وہ دو طرح کے ہیں ایک وہ جن میں تین حرف[۱] ہیں جیسے لآم مٓیم قآف نوٓن اور ایک وہ جن میں دو حرف ہیں جیسے طٰہٰ سو جن میں دو حرف ہیں ان کے متعلق بھی یہاں کوئی قاعدہ[۲] نہیں اور جن میں تین حرف ہیں ان پر مد ہوتا ہے اس کو بھی مد لازم کہتے ہیں اور اس کی مقدار بھی تین[۳] الف ہے اور ایسے مد کو مدِ حرفی کہتے ہیں پھر ان میں سے جن حروفِ مقطعہ کے اخیر حرف پر پڑھنے کے وقت تشدید ہے ان کے مد کو مد حرفی مثقل[۴] کہتے ہیں جیسے الٓمّٓ میں لام کو جب میم کے ساتھ پڑھتے ہیں تو اس کے اخیر میں تشدید پیدا[۵] ہوتی ہے اور جن میں تشدید نہیں ہے ان کے مد کو مد حرفی مخفّف کہتے ہیں جیسے الٓمّٓ میں میم کے اخیر میں تشدید نہیں[۶] ہے۔

تنبیہ (۱) :

تین حرفی مقطعات میں جن میں مد پڑھنا بتلایا گیا ہے اکثر میں تو بیچ کا حرف مدہ ہی ہے جس کے بعد کہیں تو حرف ساکن ہے جیسے مٓیم میں یٓ مدہ ہے اور اس کے بعد میم ساکن ہے اور کہیں حرف مشدد ہے جیسے لام میں الٓف مدہ ہے اور اس کے بعد میم مشدد ہے اور مدہ پر ایسے مواقع میں مد ہوتا ہی ہے تو ان میں تو مد ہونا عام قاعدہ کے موافق ہے البتہ جن تین حرفی مقطعات میں بیچ کا حرف مدہ نہیں ہے جیسے کٓہٰیٰعٓصٓ میں ع[۷] ہے وہاں

---

[۱] ایسے حروف کل سات ہیں، نٓ، قٓ، صٓ، سٓ، لآم، کآف، میٓم [۲] ایسے حروف کل پانچ ہیں حا، یا، طا، ھا، را ان پانچوں میں مد اصلی ہے کیونکہ محل مد الفؔ تو ہے مگر اس کے بعد سبب مد (ہمزہ یا سکون یا تشدید) کوئی نہیں لہٰذا مد فرعی بھی نہیں۔ [۳] یہاں بھی جمہور کے قول کے موافق پانچ الف مقدار یاد کیجئے۔

[۴] مختصر تعریف یوں یاد کیجئے ”حرف مد کے بعد والا حرف اگر مشدد ہو اور یہ حرف مد مقطعات میں ہو تو وہ مد لازم حرفی مثقل ہے“

[۵] میم ساکن کے قواعد میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اگر میم ساکن کے بعد میم ہو تو وہاں ادغام ہوگا اور ادغام کی وجہ سے میم مشدد ہو جائے گا، اسی قاعدہ کے مطابق لآم کی مِیْم کا مِیْم کی پہلی میم میں ادغام ہوا اور تشدید آئی ہے۔ اسی طرح طٰسٓمٓ کہ اصل میں طٰ سِیْنْ مِیْمْ ہے بقاعدہ یَرْمَلُوْن نون کا مِیْم میں ادغام ہو کر تشدید آگئی ہے اور اس طرح سین میں مد لازم حرفی مثقل پایا گیا۔

[۶] اسی طرح الٓرٰ کے لام میں مد لازم حرفی مخفف ہے۔

[۷] مد لازم لین کی مثال تمام قرآن میں صرف حرفِ عیٓن ہے جو دو جگہ مَرْیَمْ اور شُوْرٰی کے مقطعات میں واقع ہے۔

مد ہونا اس عام قاعدہ کے موافق نہیں ہے اور اسی واسطے اگر نہ کریں تب بھی درست ہے لیکن افضل یہی [۱] ہے کہ مد کریں اور اس مد کو **لازم لین** کہتے ہیں۔

تنبیہ (۲) :

جو حروف مقطعات اخیر میں ہیں ان پر مد اس وقت ہے جب اس پر وقف کریں اور اگر مابعد سے ملا کر پڑھیں تو پھر مد کرنا نہ کرنا دونوں جائز ہیں جیسے سورۂ آل عمران میں الٓمّٓ کے میم کو اگر اللہ سے ملا کر پڑھیں تو مد کرنے نہ کرنے کا اختیار [۲] ہے۔

قاعدہ (۶) :

اگر حرفِ مدہ کے بعد کوئی حرف ساکن ہو جس کا سکون اصلی نہ ہو یعنی اس پر وقف کرنے کے سبب سکون ہو گیا ہو (اور یہ ساکن مقابل ہے اس ساکن کا جو قاعدہ نمبر ۳ کے شروع میں مذکور ہوا ہے) تو اس مدہ پر مد کرنا جائز ہے اور نہ کرنا بھی درست ہے لیکن کرنا بہتر ہے جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ پر اور اس کو مد وقفی اور مد عارض بھی کہتے ہیں اور یہ مد تین [۳] الف کے برابر ہے اور اس کو طولؔ بھی کہتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ دو الف کے برابر مد کریں اور اس کو توسطؔ کہتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ بالکل مد نہ کریں یعنی ایک ہی الف کے برابر پڑھیں کہ اس سے کم میں حرف ہی نہ رہے گا (آگے تنبیہ سوم دیکھو) اس کو قصر کہتے ہیں اور اس میں افضل طول ہے پھر توسط پھر قصر اور یہ بھی یاد رکھو کہ ان تینوں میں سے جو طریقہ اختیار کرو ختم تلاوت تک اسی کے موافق کرتے چلے جاؤ ایسا نہ کرو کہ کہیں طول کہیں قصر کہ یہ بدنما ہے اور یہ مد بھی مد جائز کی ایک قسم ہے اور جہاں خود مدہ پر وقف ہو وہاں یہ مد نہیں ہوتا جیسے بعض لوگ غَفُوْرًا ط شَكُوْرًا ط پر وقف کر کے مد [۴] کرتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔

---

[۱] طول افضل ہے ابن مجاہد اور اکثر اکابر اہل ادا کا یہی مذہب ہے۔ توسط بھی جائز ہے بلکہ ابن غلبون، مکی اور ایک جماعت یہی پسند کرتے ہیں اور قصر بھی جائز ہے۔ (نہایۃ القول المفید ص ۱۳۰)

[۲] طولؔ اور قصرؔ صرف دو وجہ جائز ہیں، توسط نہایت ضعیف ہے۔ (نہایۃ القول المفید ص ۱۳۰)

[۳] یعنی طول بقدر چھ حرکات اور توسط بقدر چار حرکات اور قصر بقدر دو حرکت۔ یاد رہے کہ متصل و منفصل میں توسط ہوتا ہے اور مد لازم کی چاروں قسموں میں صرف طول ہوتا ہے اور مد عارض وقفی اور مد لین عارض میں طول، توسط، قصر تینوں جائز ہیں۔

[۴] یعنی الف کو اسکی مقدار اصلی سے زیادہ کھینچتے ہیں جو صحیح نہیں نیز یاد رہے کہ ایسے موقع پر بعض لوگ الف کے بعد ہمزہ یا ہا نکال لیتے ہیں جو غلط ہے۔

تنبیہ (۱) :

مدعارض جس طرح مدہ پر جائز ہے اسی طرح لین پر بھی جائز ہے یعنی واؤ ساکن جس سے پہلے زبر ہو اور یاء ساکن جس سے پہلے زبر ہو۔ (دیکھو لمعہ ۵ نمبر ۱۳) جیسے وَالصَّيْفِ پر یا مِنْ خَوْف پر وقف کریں اور جس طرح مد یعنی طول جائز ہے اسی طرح توسط اور قصر بھی مگر اس میں افضل قصر ہے پھر توسط پھر طول اور اس مد کو مدعارض لین کہتے ہیں۔

تنبیہ (۲) :

حرفِ لین کے متعلق ایک قاعدہ (لمعہ نمبر ۱۱ قاعدہ نمبر ۵ تنبیہ نمبر ۱) میں بھی گذرا ہے دیکھ لو کیونکہ وہاں حروف مقطعہ میں سے جو عین ہے اس کی یاء حرفِ لین ہے۔

تنبیہ (۳) :

یہاں تک جتنی قسمیں مد کی مذکور ہوئیں یہ سب مدفرعی[۱] کہلاتی ہیں یعنی چونکہ اصل حرف سے زائد ہیں اور ایک مد اصلی ہے اور اس کو ذاتی اور طبعی بھی کہتے ہیں یعنی الفؔ اور واؔؤ اور یاؔء کی اتنی مقدار کہ اگر اس سے کم پڑھیں تو وہ حرف ہی نہ رہے بلکہ زبر یا پیش یا زیر رہ جائے اور اس کے متعلق کوئی قاعدہ نہیں ہے۔

قاعدہ (۷) :

یہ قاعدہ حروفِ مدہ سے صرف الف کے متعلق ہے وہ یہ کہ الف خود باریک پڑھا جاتا ہے لیکن اس سے پہلے اگر کوئی حرف پُر ہو یعنی یا تو حروفِ مستعلیہ میں سے کوئی حرف ہو جن کا بیان لمعہ نمبر ۵ صفت نمبر ۵ میں گذر چکا ہے یا حرف راؔء ہو جو کہ مفتوح ہونے سے پُر ہو جائے گی یا پُر لام ہو جیسے لفظ اللّٰہ کا لام ہے جب کہ اس سے پہلے زبر یا پیش ہو تو ان صورتوں میں الف کو بھی موٹا پڑھیں گے۔

---

[۱] حروفِ مدہ کا بیان چونکہ بالکل شروع میں آچکا ہے مصنف صاحبؒ نے اس کو بعد میں بیان کیا اور نہ اس کا بیان پہلے ہونا چاہیے تھا۔ مد اصلی یا مد ذاتی یا مد طبعی کی تعریف اس طرح کیجئے کہ حرفِ مد کے بعد ہمزہ یا سکون یا تشدید نہ ہونے کی وجہ سے اس کو اس کی اصلی مقدار میں پڑھنا اور مد فرعی یہ کہ حرفِ مد کے بعد کسی سبب ((۱) ہمزہ (۲) سکون (۳) تشدید) کے ہونے کی وجہ سے اس کو اس کی اصلی مقدار سے زیادہ بڑھا کر پڑھنا، جس کی نو قسمیں آپ نے اوپر پڑھیں۔

اور جاننا چاہیے کہ ان حرفوں کے پر ہونے میں بھی تفاوت[1] ہے تو ویسا ہی تفاوت اس الف کے پر ہونے میں بھی ہو گا جو ان حرفوں کے بعد آیا ہے سو سب سے زیادہ پر تو اسم **اللّٰہ** کا **لام** ہے اس کے بعد **طآء** اس کے بعد **صاد** اور **ضادؔ** انکے بعد **ظا** اس کے بعد **قاف** اس کے بعد **غین**، اور **خآء** ان کے بعد **رآء**[2] (حقیقۃ التجوید ص ۲۹)

بارہواں لمعہ

ہمزہ کے قاعدوں میں

اس کے بعض قاعدے تو بدون عربی پڑھے سمجھ میں نہیں آسکتے اس لیے صرف دو موقع کے قاعدے لکھے دیتا ہوں کہ سب قرآن پڑھنے والوں کو اس کی ضرورت ہے۔

قاعدہ (۱) :

چوبیسویں پارے کے ختم کے قریب ایک آیت میں یہ آیا ہے ءَ اَعۡجَمِیٌّ سو اس کا دوسرا ہمزہ ذرا[3] نرم کر کے پڑھو۔ اس کو تسہیل[4] کہتے ہیں۔

---

[1] حروفِ مفخمہ کل دس ہوئے سات حروفِ مستعلیہ جن کی تفخیم اصلی ہے اور تین (۱) لام اسم الجلالہ (۲) راء اور (۳) الف کہ جن کی تفخیم عارضی ہے کہ کبھی ہو گی اور کبھی نہ ہو گی جیسا کہ تینوں کے قواعد اپنے اپنے مقام پر گذرے، حضرت مولفؒ نے حرفوں کے پُر ہونے میں جو تفاوت بیان کیا ہے اس کو "حروفِ مفخمہ میں مراتب" سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرا مسئلہ ہے جس کو یہاں بیان نہیں کیا گیا "تفخیم میں مراتب" اس کی تشریح یہ ہے کہ حرفوں کی تفخیم کا ظہور سب سے زیادہ اس وقت ہوتا ہے جب حرفِ مفخم مفتوح ہو اور اس کے بعد الف ہو جیسے طَائٓ اس کے بعد جیسے ضَلَالٍ اس کے بعد مضموم جیسے قُرِئَ اس کے بعد مکسور جیسے ظِلٍّ اور ساکن مفخم ما قبل کی حرکت کے تابع ہوتا ہے۔

[2] وفیها فاذا وقع بعدها (ای الحروف المفخمة) الف فخم الالف لانه تابع لماقبله بخلاف اختیها فانه اذا وقع بعدها واوٓ ویاءٓ فلا یؤثر تفخیمها فیها الخ۔ منہٗ

[3] یعنی الف اور ہمزہ کے درمیان ادا کرو نہ پوری طرح جھٹکے سے ادا ہو جس کو تحقیق کہتے ہیں اور نہ مثل الف بالکل نرمی سے ادا ہو۔

[4] یہ تسہیل واجب ہے اور چھ کلمات ءٓ آلْئٰنَ دو جگہ سورۂ یونس میں ءٓ آللّٰہُ ایک یونس میں اور ایک جگہ سورۂ نمل میں اور ءٓ آلذَّكَرَيۡنِ دو جگہ سورۂ انعام میں دوسرے ہمزہ کو بجائے الف پڑھنے کے تسہیل سے بغیر مد کے ادا کرنا بھی جائز ہے۔ ان چھ کلمات میں تسہیل جائز ہے۔ باقی تمام قرآن میں ہر جگہ ہمزہ کو تحقیق سے پڑھنا ضروری ہے۔

قاعدہ (۲) :

سورۂ حجرات کے دوسرے رکوع میں یہ آیا ہے بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ سو اس کو اس طرح پڑھو کہ بِئْسَ کے سین پر تو زبر پڑھو اور اس کو بعد کے کسی حرف سے نہ ملاؤ پھر لام جو اس کے بعد لکھا ہے اس کو زیر دے کر بعد کے سین سے ملا دو پھر میم کو اگلے لام سے ملا دو خلاصہ یہ ہے کہ اَلْاِسْمُ کے لام سے آگے پیچھے جو دو ہمزہ بشکل الف لکھے ہیں ان کو بالکل مت پڑھو۔

تیرہواں لمعہ

(وقف[1] کرنے یعنی کسی کلمہ پر ٹھہرنے کے قواعد میں)

اصل فنِ تجوید تو مخارج اور صفات کی بحث ہے جو بفضلہ تعالیٰ بقدر ضرورت اوپر لکھی گئی باقی اور تین علم اس فن کی تکمیل ہیں علمِ اوقاف[2]، علم قرآءت[3] علم رسم خط[4] چنانچہ علم اوقاف کی ایک

---

[1] وقف کے معنی ٹھہرنے کے ہیں اور اصطلاح میں اس کی تعریف ہے "کلمہ غیر موصول کے آخر میں سانس لے کر ٹھہرنا" یعنی پہلی بات تو یہ کہ وقف کلمہ کے آخر میں ہوتا ہے۔ درمیان میں وقف کرنا صحیح نہیں مثلاً لفظ قَالُوْٓا پر وقف کرنا تو صحیح ہے مگر قَا پر وقف صحیح نہیں۔ دوسری بات یہ کہ قرآن میں بعض جگہ کئی کئی لفظوں کو ملا کر لکھا ہے وہ عربی کے اعتبار سے اگرچہ کئی جدا جدا لفظ ہیں مگر ملا کر لکھے ہوئے ہونے کی وجہ سے ایک ہی لفظ کے حکم میں ہیں مثلاً اَیْنَمَا اگرچہ عربی کے اعتبار سے دو لفظ ہیں ایک اَیْنَ اور دوسرا مَا لیکن ملا کر لکھے ہوئے ہونے کی وجہ سے اَیْنَمَا کے الف پر تو وقف صحیح ہے مگر اَیْنَ کے نون پر وقف صحیح نہیں، ایسے کلمات کو موصول کہتے ہیں۔ [2] علم اوقاف دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ایک یہ کہ وقف باعتبار معنی کے کہاں کرے؟ اسکا جواب آئندہ قاعدہ نمبر ۱ میں آرہا ہے دوسرے یہ کہ وقف کس طرح کرے؟ اسکا جواب آئندہ قواعد نمبر ۲، ۳، ۴ الی آخرہ میں آئیگا۔ [3] علم تجوید اور علم قرآءت موضوع تو دونوں کا الفاظ قرآن ہیں فرق یہ ہے کہ تجوید میں حروف کے مخارج و صفات اور انکے حالات متفق علیہا سے بحث ہوتی ہے اور قرآءت میں احوال مختلف فیہا سے مثلاً حذف و اثبات، تحریک و تسکین، مد و قصر، فتح و امالہ، تحقیق و تخفیف وغیرہ۔ (شرح سبعہ قراءات ص ۱۱۰) [4] یعنی حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں قرآن کی جو تحریر اور الفاظ کی جو شکل اختیار کی گئی اور قرآن لکھوا کر حضرت عثمانؓ نے جابجا بھجوائے اور اس تحریر پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہوا اس تحریر کے علم اور اسکے ضوابط و قواعد کو علم رسم خط کہتے ہیں۔ قرآن مجید اس طرز تحریر کے خلاف لکھنا جائز نہیں۔ تمام علمائے امت کا اس پر اجماع ہے یہ ایک وسیع فن ہے جس کو علم رسم خط کہتے ہیں۔

ایک بحث[۱] وقف کرنے کے قواعد ہیں۔

قاعدہ(۱) :

جو شخص معنی نہ سمجھتا ہو اس کو چاہیے کہ انہیں مواقع پر وقف کرے جہاں قرآن میں نشان بنا ہوا ہے بلا ضرورت بیچ[۲] میں نہ ٹھہرے البتہ اگر بیچ میں سانس ٹوٹ جائے تو مجبوری ہے پھر اگر مجبوری سے ایسا ہو تو چاہیے کہ جس کلمہ پر ٹھہر گیا تھا۔ اس سے یا اوپر[۳] سے پھر لوٹا کر اور مابعد سے ملا کر پڑھے اور اس کا سمجھنا کہ اسی کلمہ سے پڑھوں یا اوپر سے بدون معنی سمجھے ہوئے مشکل ہے جب تک معنی سمجھنے کی لیاقت نہ ہو شبہ کے موقع میں کسی عالم سے پوچھ لے اور ایسی مجبوری کے وقف میں ایک اس کا خیال رہے کہ کلمہ کے بیچ میں وقف نہ کرے بلکہ کلمہ کے ختم پر ٹھہرے اور یہ بھی جان لو کہ وقف کرنا حرکت پر غلط ہے جیسا کہ اکثر لوگ کرتے ہیں مثلاً کسی شخص کا سانس سورۂ بقرہ کے شروع میں بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ کے کاف پر ٹوٹ گیا تو اس وقت کاف کو ساکن کر دینا چاہیے زبر کے ساتھ وقف نہ کریں اسی طرح بے سانس توڑے وقف نہیں ہوتا جیسا بعض لوگ آیت کے ختم پر ساکن نون پڑھتے ہیں۔ مگر بے سانس توڑے دوسری آیت شروع کر دیتے ہیں یہ بھی بے قاعدہ ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ ایسی مجبوری میں جو کسی کلمہ پر وقف کرو تو وہ کلمہ جس طرح لکھا ہے اس کے موافق وقف کرو اگرچہ وہ دوسری طرح پڑھا جاتا ہو پڑھنے کے موافق وقف نہ کریں گے مثلاً اَنَا میں جو الف نون کے بعد ہے وہ ویسے تو پڑھنے میں نہیں آتا لیکن اگر اس کلمہ پر وقف کیا جائے گا تو پھر اس الف کو بھی پڑھیں گے اور پھر جب اس کلمہ کو لوٹائیں گے تو اس وقت چونکہ مابعد سے ملا کر پڑھیں گے اس لیے یہ الف نہ پڑھا جائے گا ان باتوں کو خوب سمجھ لو اور یاد رکھو اس میں بڑے بڑے حافظ غلطی کرتے ہیں۔

---

[۱] والبحث الاخر اقسام الوقف من الحسن والقبیح و التام وغیرہ (جهد المقل) لم اذکرہ کالباقین لانها لا تتعلق بالتجوید۔ منهٗ

[۲] یعنی ان نشانوں کے بیچ میں نہ ٹھہرے اور نشانوں کا یہ مطلب ہے کہ یا تو گول آیت پر ٹھہرے اور اس کو وقف مُنَزَّل بھی کہتے ہیں اور درمیان آیت میں جو م یا ط یا ج یا ز حروف ہوں یہ سب وقف کے نشان ہیں' ان نشانوں کے علاوہ کہیں ٹھہرے تو ماقبل سے لوٹا کر پڑھے۔ [۳] جہاں سے جملہ پوری طرح یا فی الجملہ شروع ہوتا ہو وہیں سے لوٹانا چاہیے۔ اسی لیے قاری کو کم از کم ابتدائی عربی اور ترجمہ قرآن سے واقف ہونا بہت ضروری ہے۔

تنبیہ :

قاعدہ مذکورہ کے اخیر میں جو لکھا گیا ہے کہ وہ کلمہ جس طرح لکھا ہے اس کے موافق وقف[1] اکرو اس قاعدہ سے یہ الفاظ مستثنیٰ ہیں اَوْیَعْفُوَا سورۂ بقرہ کے اکتیسویں رکوع میں اور اَنْ تَبُوْٓءَا سورۂ مائدہ کے پانچویں رکوع میں اور لِتَتْلُوَا سورۂ رعد کے چوتھے رکوع میں اور لَنْ نَّدْعُوَا سورۂ کہف کے دوسرے رکوع میں اور لِیَرْبُوَا سورۂ روم کے چوتھے رکوع میں اور لِیَبْلُوَا سورۂ محمدؐ کے اول رکوع میں اور نَبْلُوَا سورۂ محمدؐ کے چوتھے رکوع میں اور ثَمُوْدَا چار جگہ سورۂ ہود اور سورۂ فرقان اور سورۂ عنکبوت اور سورۂ نجم میں اور دوسرا قَوَارِیْرَا سورۂ دہر کے پہلے رکوع میں۔ ان سب الفاظ میں الف کسی حال میں نہیں پڑھا جاتا نہ وصل میں نہ وقف میں اور لفظ لٰکِنَّا خاص سورۂ کہف میں اور اَلظُّنُوْنَا اور اَلرَّسُوْلَا اور اَلسَّبِیْلَا یہ تینوں سورۂ احزاب میں اور سَلٰسِلَا اور پہلا قَوَارِیْرَا یہ دونوں سورۂ دہر میں اور لفظ اَنَا جہاں کہیں آئے تمام قرآن میں ان تمام لفظوں میں بحالتِ وصل الف نہیں پڑھا جاتا اور حالتِ وقف میں الف پڑھا جاتا ہے مگر خاص لفظ سَلٰسِلَا کو حالتِ وقف میں بدون الف پڑھنا بھی مروی ہے یعنی سَلٰسِلَ۔

قاعدہ (۲) :

جس کلمہ پر وقف کیا ہے اگر وہ ساکن ہے تب تو اس میں کوئی بات[2] بتلانے کی نہیں اور اگر وہ متحرک ہے تو اس پر وقف کرنے کے تین طریقے ہیں، ایک تو یہی جو سب جانتے ہیں کہ اس کو ساکن

---

[1] اسی لیے کہا گیا کہ وقف رسم الخط کے تابع ہوتا ہے مثلاً گول ۃ جو بصورت ھا ہوتی ہے اس کو وقف میں ہ پڑھتے ہیں۔ دوزبر کی تنوین بصورت الف لکھی ہوتی ہے اس لیے اس کو الف سے بدل کر وقف کرتے ہیں، بخلاف اس کے زیر اور پیش کی تنوین کے ساتھ کوئی حرف لکھا ہوا نہیں ہوتا لہٰذا وقف میں تنوین کا نون حذف ہوتا ہے۔ لفظ کَاَیِّنْ میں نون پڑھا گیا حالانکہ نون تنوین ہے کیونکہ لکھا ہوا ہے۔ بِہٖ، لَہٗ وغیرہ میں ھا کو ساکن کر کے وقف کیا گیا اور کھڑی زیر یا الٹا پیش سے پیدا ہونے والا حرفِ مد نہیں پڑھا کیونکہ یہ حروف لکھے ہوئے نہیں۔ غرض یہ اصول کہ وقف تابع رسم خط ہوتا ہے انتہائی وسیع اصول ہے جس کی تفصیلات بڑی کتابوں میں ہیں۔

[2] یعنی اس ساکن کو وقف میں بھی ساکن ہی پڑھا جائے گا البتہ وقف کا اثر یہ ہوگا کہ سانس لیا جائے گا مثلاً فَارْغَبْ، وَانْحَرْ، فَحَدِّثْ، مِنْھُمْ، لَھُمْ وغیرہ۔

کردیا[1] جائے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس پر جو حرکت ہے اس کو بہت خفیف سا ظاہر کیا جائے اس کو روم کہا جاتا ہے اور انداز اس کا حرکت کا تہائی حصہ ہے اور یہ زبر میں نہیں ہوتا ہے صرف زیر اور پیش میں ہوتا ہے، جیسے بِسۡمِ اللّٰه کے ختم پر میم پر بہت ذرا سا زیر پڑھ دیا جائے کہ جس کو بہت پاس والا سن سکے یا نَسۡتَعِیۡنُ کے نون پر ایسا ہی ذرا[2] پیش پڑھ دیا جائے اور رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کے نون پر چونکہ زبر ہے یہاں ایسا نہ کریں گے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اس حرکت کا اشارہ صرف ہونٹوں سے کر دیا جائے یعنی پڑھا بالکل[3] نہ جائے بلکہ اس حرکت کے ظاہر پڑھنے کے وقت ہونٹ جس طرح بن جائے اسی طرح ہونٹوں کو بنا دیا جائے اور اس حرف کو بالکل ساکن ہی پڑھا جائے اور یہ اشمام کہلاتا ہے اور اس کو پاس والا بھی نہیں سن سکتا کیونکہ اس میں حرکت زبان سے تو ادا ہوئی نہیں البتہ آنکھوں والا پڑھنے والے کے ہونٹ دیکھ کر پہچان سکتا ہے کہ اس نے اشمام کیا ہے اور اشمام صرف پیش میں ہوتا ہے اور زبر زیر میں نہیں ہوتا مثلاً نَسۡتَعِیۡنُ کے نون پر پیش ہے اس پیش کو پڑھا تو بالکل نہیں نون کو بالکل ساکن پڑھا مگر ہونٹوں کو نون ادا کرنے کے وقت ایسا بنا دیا جیسا پیش پڑھنے کے وقت بن جاتے ہیں یعنی ذرا چونچ سی بنادی۔

قاعدہ (۳):

جس کلمہ کے اخیر میں تنوین ہو وہاں بھی روم جائز ہے مگر حرکت ظاہر کرنے کے وقت تنوین کا کوئی حصہ[4] ظاہر نہ کیا جائے گا۔ (تعلیم الوقف حضرت قاری عبداللہ صاحب مکیؒ)

---

[1] اور وقف میں اصل اور عام طریقہ یہی ہے جس طرح ابتدا بالسکون نہیں ہوتی اسی طرح وقف بالحرکت نہیں ہوتا اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حرکتِ کاملہ پر وقف صحیح نہیں، وقف بالسکون کے متعلق بعض علماء کی رائے ہے کہ یہ واجب شرعی ہے جس کے فعل پر ثواب اور ترک پر عتاب ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ محض ایک فنی اور اصطلاحی ہے قاری کیلئے اس کا ترک کرنا اور حرکت کاملہ پر وقف کرنا نہایت قبیح اور لائق تعزیر ہے۔ (نہایۃ القول المفید ص ۲۰۵)

[2] ذرا سا زیر یا پیش کا مطب یہ ہے کہ حرکت کی ادا میں آواز پست کی جائے، صحیح ادائیگی استاذِ مشاق سے سن کر ہی آسکتی ہے۔

[3] یعنی حرف موقوف علیہ (کلمہ کا وہ آخری حرف جس پر وقف کرتے ہیں) ساکن پڑھا جائے اور فوراً بعد اِنۡضِمَامِ شَفَتَیۡن سے ضمہ کی طرف اشارہ کیا جائے۔

[4] یعنی پست آواز میں ایک پیش یا ایک زیر پڑھا جائے گا مثلاً اَحَدٌ، مِنۡ

قاعدہ (۴) :

تاۃ جوکہ ۃ کی شکل میں گول لکھی[1] جاتی ہے مگر اس پر نقطے بھی دیئے جاتے ہیں اگر ایسی تاء پر وقف ہو تو وہاں دو باتوں کا خیال رکھو ایک تو یہ کہ اس کو ہ کے طور پر پڑھو دوسرے یہ کہ وہاں رَوم اور اشمام مت کرو۔ (تعلیم الوقف)

قاعدہ (۵) :

رَوم اور اِشمام حرکت عارضی پر نہیں ہوتا جیسے وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ میں کوئی شخص لَقَدْ پر وقف کرنے[2] لگے تو دال کو ساکن پڑھنا چاہیے اس کے زیر میں رَوم نہ کریں کیونکہ عارضی ہے (تعلیم الوقف) اور اس کو بھی عربی والے جان سکتے ہیں تم کو جہاں جہاں شبہ ہو کسی عالم سے پوچھ لو۔

قاعدہ (٦) :

جس کلمہ پر وقف کرو اگر اس کے اخیر حرف پر تشدید ہو تو رَوم اور اشمام میں تشدید[3] بدستور باقی رہے گی۔ (تعلیم الوقف)

---

[1] گول تاۃ بشکل ہ کو تاءِ مُدَوَّرَہ کہتے ہیں اور لمبی ہو تو تاءِ مجرورہ یا طویلہ کہلاتی ہے اول کی مثال اَلْجَنَّةُ، اَلْمَلٰٓئِكَةُ، اَلْقِبْلَةَ، اَلْبَرِيَّةِ وغیرہ دوسری کی مثال وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ، اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ، اِمْرَاَتُ الْعَزِيْزِ وغیرہ اس دوسری قسم کی تاۃ کو وقف میں تاۃ ہی پڑھتے ہیں اور روم واشمام ہو سکتا ہے اور پہلی پر صرف ھاء ساکنہ سے بدل کر ہی وقف کر سکتے ہیں۔

[2] اسی طرح وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کی میم پر روم یا اشمام نہیں ہو سکتا کیونکہ اصل میں میم ساکن ہے اور ضمہ عارضی ہے صرف وقف بالاسکان ہوگا۔

[3] وہ مشدد حرف کہ جس میں غنہ نہیں ہوتا (غیر نون و میم) اس میں تشدید کی ادائیگی میں سرعت ہوتی ہے مثلاً وَتَبَّ ۝ بِالْحَقِّ ۗ اَلْمَفَرُّ ۝ فَظَلَّ ۚ صَوَآفَّ ۚ وغیرہ ان موقوف علیہ مشدد میں بحالت وقف بھی بس اتنی ہی دیر لگائے جتنی کہ وصل میں اور جس حرف مشدد میں غنہ ہو تو غنہ کی وجہ سے اس میں تراخی اور مہلت ہوتی ہے جیسے مِنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ ۚ وَلَا جَآنٌّ ۝ وغیرہ اسی طرح واوِ مشدد اور یاءِ مشدد موقوف علیہ ہوں تو وقف میں خیال رکھنا چاہیے کہ مشدد ادا ہوں، مدہ نہ ہو جائیں مثلاً عَدُوٌّ ۚ مِنْ نَّبِيٍّ ۚ (نہایۃ القول المفید)

قاعدہ (۷) :

جس کلمہ پر وقف کیا جائے اگر اس کے اخیر حرف پر زبر کی تنوین ہو تو حالتِ وقف میں اس تنوین[1] کو الف سے بدل دیں گے جیسے کسی نے فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً پر وقف کیا تو اس طرح پڑھیں گے نِسَآءَا۔

قاعدہ (۸) :

جس مد وقفی کا بیان گیارہویں لمعہ کے قاعدہ نمبر ۶ میں ہوا ہے اگر روم کے ساتھ وقف کیا جائے تو اس وقت وہ مد نہ ہو گا مثلاً اَلرَّحِيْمِ یا نَسْتَعِيْنُ میں اگر پیش یا زیر کا ذرا سا حصہ ظاہر کریں تو پھر مد[2] نہ کریں گے۔ (تعلیم الوقف)

چودھواں لمعہ

(فوائد متفرقہ ضروریہ کے بیان میں)

اور گو ان میں سے بعض بعض فوائد اوپر بھی معلوم ہو گئے ہیں مگر چونکہ دوسرے مضامین کے ذیل میں بیان ہوئے تھے شاید خیال نہ رہے اس لیے ان کو پھر لکھ دیا اور زیادہ تر نئے فائدے ہیں۔

فائدہ (۱) :

سورۂ کہف کے پانچویں رکوع میں ہے لٰكِنَّا هُوَ اللّٰهُ یعنی لٰكِنَّا میں الف لکھا ہے مگر یہ پڑھا نہیں جاتا البتہ اگر اس پر کوئی وقف کر دے تو اس وقت پڑھا جائے گا۔

فائدہ (۲) :

سورۂ دہر کے شروع میں ہے سَلٰسِلَا یعنی دوسرے لام کے بعد بھی الف لکھا تو ہے مگر یہ بھی پڑھا نہیں جاتا البتہ وقف کی حالت میں الف کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں طرح درست ہے۔ اور پہلے لام کے بعد جو

---

[1] دو زبر کی تنوین میں ہر جگہ یہی قاعدہ ہے مثلاً اَفْوَاجًا ۝ عَلِيْمًا ۝ جُزْءًا ۝ سَوَآءً وغیرہ البتہ اس اصول سے تاءِ مدورہ یعنی گول تاء مستثنیٰ ہے کہ اس کو بہر صورت ہاءِ ساکنہ سے بدلا جاتا ہے مثلاً حَسَنَةً ط رَحْمَةً ط مَوْعِظَةً ط وغیرہ [2] یعنی مد عارض وقفی کے اصول سے اس میں اب طول یا توسط کرنا صحیح نہیں بلکہ مثل وصل کے صرف قصر کریں گے کیونکہ مد کا سبب سکون ہوتا ہے اور روم کی وجہ سے وہ نہیں رہا لہٰذا مد بھی نہ ہو گا۔ حاصل یہ کہ روم حرکت میں داخل ہے اور اشمام سکون میں داخل ہے۔

الف ؎۱ لکھا ہے وہ ہر حال ؎۲ میں پڑھا جاتا ہے۔

فائدہ (۳):

اسی سورۂ دہر میں وسط کے قریب قَوَارِيْرَا قَوَارِيْرَا دو دفعہ ہے اور دونوں کے اخیر میں الف لکھا ہے سو ان کا قاعدہ یہ ہے کہ دوسری جگہ تو کسی حال میں الف نہیں پڑھا جاتا خواہ وقف ہو یا نہ ہو اور پہلی جگہ اگر وقف کرو تو الف پڑھا جائے گا اور وقف نہ کرو تو الف نہیں پڑھا جائے گا اور زیادہ عادت یہ ہے کہ پہلی جگہ کو وقف ؎۳ کرتے ہیں دوسری جگہ نہیں کرتے تو اس صورت میں پہلی جگہ الف پڑھو دوسری جگہ مت پڑھو۔

فائدہ (۴):

قرآن میں ایک جگہ امالہ ہے یعنی سورۂ ہود میں جو بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا ہے اس کا بیان لمعہ ۸ قاعدہ نمبر ۴ میں دیکھ لو۔

فائدہ (۵):

سورۂ حم السجدہ میں ایک جگہ تسہیل ہے ءَاَعْجَمِیٌّ اس کا بیان بارہویں لمعہ کے قاعدہ نمبر ۱۰ میں گذرا ہے دیکھ لو۔

فائدہ (۶):

سورۂ حجرات میں بِئْسَ الِاسْمُ میں اَلِاسْمُ کا ہمزہ نہیں پڑھا جاتا بلکہ اس کے لام کو اس کے سین سے ملا دیتے ہیں اس کا بیان بھی بارہویں لمعہ کے قاعدہ نمبر ۲ میں گذرا ہے۔

فائدہ (۷):

لَئِنْ بَسَطْتَّ اور اَحَطْتُّ اور مَافَرَّطْتُّمْ اور مَافَرَّطْتُّ میں ادغام ناتمام ہوتا ہے یعنی طاء کو تاء کے ساتھ ملا کر مشدد کر کے اس طرح پڑھا جائے کہ طاء اپنی صفت استعلاء و اطباق کے ساتھ بدون قلقلہ کے پُر ادا ہو اور تاء باریک ادا ہو اور اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ میں بہتر ؎۴ یہی ہے کہ پورا ادغام کیا جائے یعنی قاف بالکل نہ پڑھا

؎۱ قرآن کے رسم خط میں پہلے لام کے بعد الف نہیں لکھا ہوا ہے بلکہ اس پر کھڑا زبر ہے گویا موصول لکھا ہوا ہے اس طرح سَلٰسِلَا۔ ؎۲ کیونکہ یہ کلمہ کا درمیان ہے اور درمیان کلمہ پر وقف صحیح نہیں ہوتا۔ ؎۳ کیونکہ وقف کا نشان یعنی گول آیت پہلے قَوَارِيْرَا۠ o پر ہی ہے لہذا وقف بھی اسی پر کرنا مناسب ہے۔

؎۴ ویجوز الناقص ایضا وهو ان یبقی بعض صفات المدغم۔ منہ

جائے بلکہ قاف کو کاف سے بدل کر اور دونوں کو ملا کر مشدد کر کے پڑھا جائے --[1]

فائدہ (۸):

نٓ وَ الْقَلَمِ اور یٰسٓ وَ الْقُرْآنِ الْحَكِيْمِ میں نٓ اور سین کے بعد جو واؤ ہے یَرْمَلُوْنَ کے قاعدہ کے موافق جس کا ذکر دسویں لمعہ کے قاعدہ نمبر ۳ میں آچکا ہے اس واؤ میں ادغام ہونا چاہیے مگر ادغام نہیں کیا جاتا--[2]

فائدہ (۹):

سورۂ یوسف کے دوسرے رکوع میں ہے لَا تَأْمَنَّا اس میں نٓ پر اشمام[3] کیا کرو۔

فائدہ (۱۰):

قرآن مجید میں کہیں کہیں سکتہ لکھا ہوا پاؤ گے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں ذرا ٹھہر جاؤ مگر سانس مت توڑو اور باقی سب قاعدے اس میں وقف کے سے جاری ہوں گے مثلاً سورۂ قیامہ میں ہے مِنْ سکتہ رَاقٍ تو یَرْمَلُوْنَ کے موافق مِنْ کا نون' ر میں ادغام ہو جاتا ہے مگر ادغام نہیں ہوا کیونکہ جب سکتہ کو بجائے وقف کے سمجھا تو گویا نونٓ اور راءٓ میں اتصال نہیں رہا اس لیے ادغام نہیں ہوا۔ اسی طرح سورۂ کہف میں ہے عِوَجًا ہ سکتہ قَیِّمًا تو اگر عِوَجًا پر وقف نہ کریں اور مابعد سے ملا کر پڑھیں تو اخفاء نہیں ہو گا بلکہ زبر کی تنوین کو الف سے بدل کر سکتہ کیا جائے گا اور تمام قرآن شریف میں حفص کی روایت میں کل سکتے چار ہیں ایک سورۂ قیامہ میں دوسرا سورۂ کہف میں جو کہ مذکور ہوئے تیسرا سورۂ یٰس میں مِنْ مَّرْقَدِنَا کے الف پر جب کہ مابعد سے ملا کر پڑھا جائے اور چوتھا سورۂ مُطَفِّفِيْن میں كَلَّا بَلْ کے لام ساکن پر بس ان کے سوا سورۂ فاتحہ وغیرہ میں کہیں سکتہ نہیں۔

فائدہ (۱۱):

قرآن میں جہاں پیش آئے اس کو واؤ معروف کی سی بُو دے کر پڑھو اور جہاں زیر آئے اس کو یائے معروف کی سی بُو دے کر پڑھو ہمارے ملک میں پیش کو ایسا پڑھتے ہیں کہ اگر اس کو بڑھا دیا جائے تو واؤ مجہول پیدا ہوتی ہے۔

---

[1] اور یہ ادغام تآم کہلاتا ہے اور ادغام ناقص مثل بَسَطْتَّ وغیرہ کے بھی جائز ہے یعنی قاف بغیر قلقلہ کے قاف ہی پڑھا جائے اور کاف کو باریک ادا کیا جائے--

[2] عند حفصؒ- منہ

[3] اختیارہ لانہ سہل علی الاطفال ویجوز الروم ایضا لاتامننا' ولا یجوز الادغام المحض- منہ

اور زیر کو ایسا پڑھتے ہیں کہ اگر اس کو بڑھادو تو یائے مجہول پیدا ہوتی ہے تو یہ بات عربی زبان کے خلاف ہے ایسا مت کرو بلکہ پیش کو ایسا پڑھو کہ اگر اس کو بڑھا دیا جائے تو واؤ معروف پیدا ہو اور زیر کو ایسا پڑھو کہ اگر اس کو بڑھا دیا جائے تو یائے معروف پیدا ہو اور زیر اور پیش کے اس طرح ادا ہونے کو ماہر استاد سے سن لو لکھا ہوا دیکھنے سے سمجھ میں شاید نہ آیا ہو۔

فائدہ (۱۲):

جب واؤ مشدد یا کہ یاء مشدد پر وقف ہو تو ذرا سختی سے تشدید کو بڑھانا چاہیے تاکہ تشدید باقی رہے جیسے عَدُوٌّ ؕ اور عَلَى النَّبِيِّ ؕ

فائدہ (۱۳):

سورۂ یوسف میں ہے وَلَيَكُونًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ؕ اور سورۂ اقراء میں ہے لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ اگر وَلَيَكُونًا اور لَنَسْفَعًا پر وقف کرو تو الف سے پڑھو یعنی تنوین[1] مت پڑھو۔

فائدہ (۱۴):

چار لفظ قرآن مجید میں ہیں کہ لکھے تو جاتے ہیں صاد سے اور اس صاد پر چھوٹا سا سؔ بھی لکھ دیتے ہیں اس کا قاعدہ سمجھ لو ایک تو سورۂ بقرہ میں ہے يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ دوسرا سورۂ اعراف میں فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ان دونوں جگہ میں سؔ پڑھو، تیسرا سورۂ طور میں اَمْ هُمُ الْمُصَۜيْطِرُوْنَ اس میں چاہے سؔ پڑھو چاہے صاد پڑھو، چوتھا سورۂ غاشیہ میں بِمُصَيْطِرٍ اس میں صاد پڑھو۔

فائدہ (۱۵):

کئی مواقع قرآن مجید میں ایسے ہیں کہ لکھا ہوا تو ہے لَا اور پڑھا جاتا ہے لَ پڑھتے وقت ان کا بہت خیال رکھو ایک سورۂ عمران میں لَاِ۟لَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ دوسرا سورۂ توبہ میں وَلَاَ۟اَوْضَعُوْا تیسرا سورۂ نمل میں اَوْلَاَ۟اذْبَحَنَّهٗ چوتھا وَالصّٰٓفّٰتِ میں لَاِ۟لَى الْجَحِيْمِ پانچواں سورۂ حشر میں لَاَ۟اَنْتُمْ اَشَدُّ اسی طرح سورۂ آل عمران کے پندرھویں رکوع میں لکھا ہوا ہے اَفَائِنْ اور پڑھا جاتا ہے اَفَئِنْ اور چند مقامات میں لکھا ہوا تو ہے مَلَا۟ئِهٖ اور پڑھا جاتا ہے مَلَئِهٖ اور سورۂ کہف کے چوتھے رکوع میں لکھا ہوا تو ہے لِشَا۟ىْءٍ اور پڑھا جاتا ہے لِشَىْءٍ اور بعض جگہ لکھا ہوا ہے نَّبَا۟ئِ اور پڑھا جاتا ہے نَبَئِ۔

---

[1] وان کان خلاف القیاس لانها نون خفیفة لکن الوقف یکون تابعا للرسم– منهٗ

تنبیہ:

مذکورہ قاعدے اکثر تو وہ ہیں جن میں کسی کا اختلاف نہیں اور جن میں اختلاف ہے میں نے امام حفص[1] رحمتہ اللہ علیہ کے قواعد لکھے ہیں جن کی روایت کے موافق ہم لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور انہوں نے قرآن مجید حاصل کیا ہے امام عاصم[2] تابعی سے اور انہوں نے زِرّبن حُبَیْش اَسَدی[3] اور عبد اللہ بن حبیب سُلَمِیْ[4] سے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اور ان سب حضرات نے جناب ر ول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

خاتمہ

چاند کا پورا لمعہ بھی چودھویں رات کو ہوتا ہے اور یہاں بھی چودھویں لمعہ کے ختم پر سب مضامین پورے ہو گئے اس لیے یہاں پہنچ کر رسالہ کو ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور مقبول فرمائے۔ طالب علموں سے خصوص بچوں سے خصوص قدوسیوں[5] سے رضائے مولیٰ کی دعا کا طالب ہوں۔

اشرف علی عفی عنہ ۵ صفر ۱۳۳۳ھ

---

[1] ابو عمرو حفص بن سلیمان بن مغیرہ اسدی کوفی بزّاز: (دوزاء کے ساتھ) ۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۰ھ میں وفات ہوئی۔ ان کے والد صاحب کی وفات کے بعد والدہ صاحبہ نے امام عاصم رحمہ اللہ سے نکاح کر لیا تھا لہٰذا ان کی پرورش و تربیت امام عاصمؒ کے زیر سایہ شفقت ہوئی۔ (نشر ص ۱۵۶) ابن معینؒ کہتے ہیں حفصؒ قرآءتِ عاصم کے اندر اَعْلَمُ النَّاس تھے یعنی قرآءت عاصم کی اصح روایت وہ ہے جو حفص نے روایت کی ہے علامہ ذہبیؒ کہتے ہیں۔ قرآءت میں ثقہ، ضابط اور ثبت تھے، امام عاصمؒ سے متعدد مرتبہ قرآن پڑھا نیز متعدد دیگر شیوخ سے اکتساب کیا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ تجارتِ پارچہ میں شریک تھے اگرچہ قرآءات سبعہ بلکہ عشرہ متواترہ ہیں اور سبعہ کے خلاف تو کبھی کسی نے ایک حرف بھی نہیں کہا بلکہ حرمین اور بصرہ کی قرآءات خالص قرشی ہونے کی وجہ سے ایک خاص امتیاز رکھتی ہیں مگر یہ قبولیت خداداد ہے کہ صدیوں سے مکاتب و مدارس میں صرف روایت حفصؒ پڑھائی جاتی ہے اور روئے زمین پر ایک ہزار حفاظ میں سے تقریباً نو سو ننانوے آدمیوں کو صرف یہی روایت یاد ہے اور ایسا شاید کوئی نہ ہو جس نے یہ روایت نہ پڑھی ہو ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ علی رغم نُحات کہ یہ قرآءت مُرَوَّج ہی نہ ہونی چاہیے تھی کیونکہ نُحات ہمزتین کی تحقیق کی وجہ سے قرآءت عاصم پر اعتراض کرتے تھے۔ (مقدمہ شرح سبعہ قرآءات از قاری ابو محمد محی الاسلام پانی پتی ص ۳۸) (بقیہ آئندہ صفحہ)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) :

(گذشتہ سے پیوستہ)ـ۲ ابو بکر عاصم ابن ابی النَّجُوْد (والد کا نام) وابن بہدلہ (والدہ کا نام) اَسَدی کوفی : آپ نے شیخ القراء امام ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب بن ربیعہ سُلَمی نابینا شیخ القراء کوفہ، شیخ القراء امام ابو مریم زِرّبن حُبَیش بن حبّاشہ بن اوس اَسَدی اور شیخ القراء ابو عمر سعد بن الیاس شیبانی کوفیین سے قرآن پڑھا، یہ تینوں حضرات کبار تابعین میں سے ہیں اور بلاواسطہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابیؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابتؓ کے شاگرد ہیں آپ خود بھی تابعی ہیں اور حضرت حارثؓ بن حسانؓ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فیض وبرکت حاصل کی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں عاصم صاحب قرآءت اور حماد صاحب فقہ تھے۔ میں عاصم کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ عجلی کہتے ہیں عاصم صاحب سنت و قرآءت ثقہ اور رئیس القراء تھے۔ ابو اسحٰق سبیعی بار بار کہتے تھے میں نے عاصم سے بہتر قاری نہیں دیکھا، عاصم سے زیادہ قرآن کا عالم کوئی نہیں۔ امام ابو عبدالرحمٰن کے بعد کوفہ کی ریاست قرآءت آپ پر منتہی ہوتی تھی آپ فصاحت وبلاغت، ضبط واتقان اور تجوید و تحریر کے جامع تھے طریقہ ادا اور لہجہ عجیب وغریب تھا خوش الحانی کی نظیر نہ تھی عابد وکثیر الصلوۃ تھے ۱۲۷ھ میں کوفہ میں وفات پائی پچاس سال کے قریب مسند کوفہ پر جلوہ افروز رہے آپ کے شاگرد ابو بکر شعبہ کہتے ہیں وفات کے وقت آیت ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ بار بار پڑھتے تھے اور اس صفائی سے پڑھتے تھے گویا محراب میں قرآن سنا رہے ہیں۔ (رحمۃ اللہ علیہ) باعتبار طبقات و رجال آپ امام ابن عامر شامی کے بعد اور باقی سب سے مقدم ہیں (مقدمہ شرح سبعہ قراءات ص ۳۷) حضرت حفصؒ کے علاوہ آپ کی قرآءت کے راویوں میں عظیم الشان آئمہ و علماء ہوئے ہیں، انہیں میں مفضل حماد اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ بھی ہیں (ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری، شرح شاطبیہ ص ۱۴)

ـ۳ زِرّ (بالکسر و تشدید زا) بن حُبَیش اَسَدی : ابو مریم کنیت ہے، یہ بزرگ مُخَضْرَمی تھے یعنی انہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا۔ لیکن مشرف باسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ہوئے۔ اسی لیے ان کو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی صحبت میں استفادہ کا بڑا موقعہ نصیب ہوا اور ان کے فیض نے ان کو جلیل القدر تابعی بنا دیا علامہ نوویؒ لکھتے ہیں وہ اکابر تابعین میں سے ہوئے ہیں اور ان کی توثیق و جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ (تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۹۷) قرآن کے ممتاز قراء و علماء میں سے تھے حدیث میں علامہ ذہبی ان کو ائمہ حفاظ میں سے لکھتے ہیں۔

آپ کے مشائخ صحابہ میں حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت علی، ابوذر غفاری، عبداللہ بن مسعود، عبد الرحمٰن بن عوف، عباس بن عبدالمطلب اور ابی بن کعب وغیرہ (رضی اللہ عنہم) تھے۔

ممتاز شاگردوں میں ابراہیم نخعی، عاصم بن ابی النَّجُوْد، مِنہال بن عَمْرو، عیسیٰ بن عاصم، عدی بن ثابت، امام شعبی اور

ابو اسحٰق شیبانی وغیرہ شہرت رکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۲۱)

وفات :- زِرّ بن حُبَیشؒ نے طویل عمر پائی باختلاف روایت ۸۱ھ میں وفات ہوئی، وفات کے وقت ۱۲۲ سال عمر مبارک تھی۔ رحمہ اللہ (تہذیب)

۴- ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب سُلَمی نابیناؒ

کوفہ کے ممتاز قراء میں ان کا شمار تھا اور زندگی کا خاص موضوع کتاب اللہ ہی تھا۔ فن قرآءت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اپنے والد صاحب سے کمال پیدا کیا۔ (ابن سعد ج ٦ ص ۱۱۹) حافظ ذہبیؒ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علاوہ حضرت عثمانؓ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی تعلیم حاصل کی (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۰) قرآن کا درس دیتے تھے مگر اس کا کوئی معاوضہ نہ لیتے تھے عمرو بن حُریث کے لڑکے کو انہوں نے فن قرآوت میں تکمیل کرائی، عمرو بن حریث نے ان کی خدمت میں سواری کا اونٹ مع خوبصورت پالان کے بھیجا مگر انہوں نے یہ ہدیہ قبول نہیں کیا اور صاف کہلا دیا کہ ہم کتاب اللہ پر کوئی اجرت نہیں لیا کرتے ہیں۔ (ابن سعد ج ٦ ص ۱۲۰) کامل چالیس سال تک مسجد میں قرآن کا درس دیا اور آپ کے بعد یہ مسند قرآءت امام عاصمؒ کو منتقل ہوئی۔ (تہذیب ج ۵ ص ۱۸۴) حدیث کے حافظ تھے۔

آپ کے مشائخ : حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت خالد بن ولید، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت ابو درداء، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم ہوئے ہیں۔

آپ کے ممتاز شاگرد : حضرت ابراہیم نخعی، حضرت علقمہ، حضرت سعد بن عُبیدہ، حضرت ابو اسحٰق، سعد بن جبیر، عطاء بن ثابت اور امام عاصم رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔

وفات : عبد الملک کے عہد خلافت ۷۳ھ کوفہ میں وفات پائی، بحالت اعتکاف مسجد میں مستقل قیام فرماتے مرض الموت میں بھی مسجد میں ہی تھے، عطاء بن سائب نے جا کر عرض کیا، خدا آپ پر رحم کرے، آپ اپنے بستر پر منتقل ہو جاتے تو اچھا تھا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب تک مسجد میں نماز کے انتظار میں رہتا ہے وہ گویا نماز ہی کی حالت میں رہتا ہے، اور ملائکہ اس کے لیے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ مسجد ہی میں مروں۔ (رحمہ اللہ) ابن سعد ج ٦ ص ۱۲۱۔

علامہ عبد العظیم زُرقانی لکھتے ہیں کہ ابن حبیب سُلَمی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادوں حضرت حسن و

حسین رضی اللہ عنہم کے جلیل القدر استاذ ہوئے ہیں۔ (مناہل العرفان ج ۱ ص ۴۵۱)

۵۔ برصغیر میں سلسلہ چشتیہ صابریہ کے مشہور شیخ طریقت حضرت مولانا شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (متوفی ۲۳ جمادی الآخرہ ۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء) کے اولاد واحفاد قدوسی کہلاتے ہیں انہیں بعض بزرگوں کی فرمائش پر حضرت مولفؒ نے تجوید میں یہ رسالہ تحریر فرمایا "قدوسیوں" سے یہی حضرات مراد ہیں۔

اظہار احمد التھانویؒ

صدر شعبہ تجوید و قرآءت مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور
پروفیسر انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔
ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء

تتمہ - چند مسائل

حرف ضاد :

زبان کی کروٹ سے یہ حرف ادا ہوتا ہے عربی زبان کے سوا دنیا کی تمام زبانوں میں یہ حرف نہیں- مخرج معلوم، صفات لازمہ مشہور مگر ادائیگی میں سخت اختلاف کن لوگوں میں ؟ عوام میں نہ کہ محققین تجوید میں-

حقیقت یہ ہے کہ زبان کی بائیں کروٹ والے حصے کو لمبا کر کے اوپر کی پانچوں داڑھوں ناجذ، طواحن اور ضاحک پر جما کر اس حرف کو اس طرح ادا کریں کہ آواز میں بلندی ہو (جہر کی وجہ سے) آواز جاری رہے (رخوت کی وجہ سے) منہ بھر کر خوب موٹائی کے ساتھ آواز نکلے (استعلاء و اطباق کی وجہ سے) بسرعت ادا نہ ہو بلکہ جماؤ اور ٹھیراؤ کے ساتھ ہو (استطالت واصمات کی وجہ سے)

علامہ جزری کتاب تمہید میں فرماتے ہیں :

> یہ حرف مشکل الاداء ہے- اسی لیے لوگوں میں مختلف قسم کی ادائیگی سننے میں آتی ہے لیکن بہت کم صحیح ادا کرتے ہیں- بعض لوگ ظاء معجمہ نکالتے ہیں کیونکہ ضاد اور ظاء صفت استطالت کے سوا باقی تمام صفات میں مشترک ہیں چنانچہ اکثر شامی لوگ ظاء ادا کرتے ہیں، لیکن ایسا کرنا غلط ہے اور لحن جلی ہے-
>
> مشہور امام النحو ابن جنی کتاب التنبیہ میں فرماتے ہیں کہ بعض عرب ضاد کو بعینہ ظاء نکالتے ہیں- جو کہ حیرت انگیز چیز ہے البتہ عوام الناس کے لیے وسعت ہو سکتی ہے اور بعض لوگ حافہ کو پوری داڑھوں پر نہیں لگاتے ہیں جس سے طاء کی آمیزش ہو جاتی ہے اور یہ مصریین اور اہل مغرب ہیں- اور بعض لوگ دال مفخمہ نکالتے ہیں- اور بعض لوگ لام مفخمہ نکالتے ہیں جیسا کہ زیلعی وغیرہ کا تلفظ ہے- (نہایۃ القول المفید ص ۹۶، ۹۷)

علامہ مرعشی نے رعایہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا :

> مجود قاری (یعنی عمدہ ادائیگی کا ماہر) کے لیے ضروری ہے کہ ضاد کو مفخمہ مستعلیہ مطبقہ مستطیلہ ادا کرے اس صورت میں ہوا کے نکلنے کی سی آواز ظاہر ہوگی کیونکہ حافہ کو داڑھوں پر جما کر تلفظ کرے

گا لیکن اگر اس ادا میں افراط سے کام لے گا تو ظاء معجمہ کا تلفظ ہو جائے گا بہر حال مشکل الادا حرف ہے جس میں ماہر استاذ سے مشق کی ضرورت ہے۔ ضاد کو صحیح ادا کیا جائے تو سننے میں اس کی آواز ظاء کے قریب قریب سنائی دیتی ہے۔

فماذا بعد الحق الا الضلال (نہایۃ القول المفید ص ۸۷)

افسوس کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم لوگوں کو حرف ضاد بعینہ ظاء پڑھوانا چاہتے ہیں۔ یہ گمان صحیح نہیں ہمیں اعتراف ہے کہ رسماً و تلفظاً حرف ضاد قرآن میں ۱۶۱۷ جگہ ہے، ہمیں اعتراف ہے کہ ظهر - عظیم وغیرہ میں حرف ظاء ہے ضاد نہیں اور ضوء، فضل، رمضان وغیرہ میں حرف ضاد ہے ظاء نہیں۔ اور بنیادی طور پر لغت عرب میں یہ دو جداگانہ حرف ہیں ایک نہیں۔ لیکن سلف و خلف سے مخارج و صفات کی روشنی میں جو متواتر طریقہ سے ضاد کی ادا چلی آتی ہے وہ یہ کہ سننے میں ان دونوں کی آوازیں مشابہ ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”دونوں حرف سننے میں ایک جیسے ہیں“ (فتاویٰ ج ۲۳ ص ۲۵۰)

شیخ یوسف خلیفہ ابوبکر سوڈانی اپنی کتاب ”اصوات القرآن“ میں فرماتے ہیں :

> ”ہمارے مشائخ نے ضاد کا مخرج حافہ لسان یمنی یا یسریٰ یا دونوں بتلایا ہے لیکن اس زمانے میں جو ضاد کا تلفظ کیا جا رہا ہے اور خاص کر اہل تعلیم میں رائج ہے کہ مثل دال کے ادا کرتے ہیں یہ تلفظ صحیح نہیں، کیونکہ تمام علماء تجوید اس پر متفق ہیں کہ یہ حرف رخو ہے اور مخرج میں آواز جاری رہتی ہے یعنی مخرج میں آواز کا انحصار ضعیف ہوتا ہے۔“ (اصوات القرآن ص ۷۰)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں :

”ضاد اور ظاء میں اشتراک صفات کی وجہ سے آوازوں میں تشابہ ہے۔“

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۱۲۲)

حقیقت یہ ہے کہ ضاد میں قدرے تفشی ہے، جمہور مشائخ نے اگرچہ تفشی، حرف شین میں بتلائی ہے مگر مقصود انکار نہیں کیونکہ ضاد میں تفشی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے نہایۃ القول المفید، بیان صفۃ التفشی ملاحظہ ہو۔

مصیبت یہ ہے کہ مشبہ بہ حرف ظاء کا تلفظ بھی اکثر لوگوں میں صحیح نہیں، کیونکہ ظاء میں وہ زای والی صفت صفیر کی آمیزش کرتے ہیں اور تشابہ کے خیال میں پھر یہی صفیر ضاد میں ملالی گئی۔ اس صفیر کی آمیزش سے ظاء اور ضاد دونوں کا بچانا ضروری ہے۔

بہت سے مصری اساتذۂ تجوید و قرآءت کا حال دیکھنے میں آیا کہ بعض طالب علموں نے ضاد مشابہ بالظاء پڑھا تو انہوں نے اپنی عادت کے خلاف ہونے کی وجہ سے طلّاب کو سختی سے منع کیا اور طالب علموں نے جب ضاد کو خالص دال کے مخرج سے نکالا تو وہ خوش ہو گئے کہ یہی صحیح ہے اسی لیے محققین مصر نے اس ضاد مشابہ بالدال کو ضاد محدثہ (نئی پیداوار) قرار دیا ہے۔ (کتاب لحن العامۃ الزبیدی ص ۲۲۵، ۲۲۶)

الحمد للہ پاکستان میں اب یہ اختلافی مصیبت قریب قریب ختم ہو گئی ہے ماضی قریب میں یہ اختلاف اس قدر شدید ہو چکا تھا کہ ایمان و کفر تک نوبت پہنچ چکی تھی، مسجدیں تقسیم تھیں آئمہ تقسیم تھے۔ اب مسئلہ کا اختلافی پہلو ختم ہوا۔ اور یہ سب برکت ہے۔ استاذنا المحترم حضرت قاری عبدالمالک رحمۃ اللہ علیہ کے تدریسی اور ارتقائی دور کی جس میں ذہنوں کو یکسانی نصیب ہوئی۔ **والحمد لله على ذلك۔**

مدوں کی مقداریں :

جمال القرآن کے بعض محشی حضرات نے اس قدر طویل بحثوں کا دروازہ کھولا ہے۔ کہ ابتدائی کتاب جو نوخیز اور ابتدائی طلبہ کے لیے لکھی گئی ہے چیستان ہو کر رہ گئی یعنی یہ نوخیز طالب علم پہلے شاطبیہ، طیبہ، نشر کبیر اور تیسیر سب کتابیں پڑھ کر آئے اور پھر جمال القرآن کو ہاتھ لگائے۔

مد متصل و منفصل اور مد لازم کی جو مقداریں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے لکھیں وہ ان بعض محشی حضرات کے لیے ایک مشکل مسئلہ بن گئیں حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ مد متصل و منفصل میں مصنف علیہ الرحمہ نے الف بول کر بقدر ایک حرکت مراد لیا ہے اور مد لازم کے بیان میں الف بقدر دو حرکت مراد لیا گیا ہے۔ چنانچہ مد متصل میں فرمایا ہے:

> اور مقدار اس کی تین الف یا چار الف ہے۔ اور الف کے انداز کرنے کا طریقہ نویں لمعہ کے قاعدہ نمبر ۱ کے قاعدہ میں لکھا گیا ہے پس اس طریقہ کے موافق تین یا چار انگلیوں کو آگے پیچھے بند کر لینے سے یہ اندازہ حاصل ہو جائے گا۔ مگر یہ مقدار اس مقدار کے

علاوہ ہے، جو حروف مدہ کی اصلی مقدار ہے مثلاً جآء میں اگر مد نہ ہوتا تو آخر الف کی بھی تو کچھ مقدار ہے۔ سو اس مقدار کے علاوہ مد کرنے کی مقدار ہو گی۔

تجوید کی بڑی کتابوں میں بھی یہی لکھا ہے کہ امام عاصم کے یہاں مد متصل میں توسط بقدر چار حرکت یا پانچ حرکت ہے۔ شیخ علی محمد ضباع فرماتے ہیں :

> ابن عامر شامی، کسائی اور عاصم مد متصل و منفصل کو بقدر چار حرکت کھینچتے ہیں۔ اور امام عاصم کے لیے ایک اور مذہب بھی ہے یعنی دونوں کو بقدر پانچ حرکت کھینچتے ہیں۔
>
> (ارشاد المرید ص ۸۴ علی ھامش ابراز المعانی)

مد لازم میں جمال القرآن کا بیان ہے :

اور اس کا نام مد لازم ہے اور اس کی مقدار تین الف ہے۔

یاد رہے کہ مد لازم کی چاروں قسموں میں تمام قراء سبعہ کے یہاں طول بقدر چھ حرکات ہوتا ہے لہذا جمال القرآن کے الفاظ "تین الف" کا مطلب یہ لینا ہر استاذ اور محشی کے لیے لازم ہے کہ یہاں الف بقدر دو حرکات مراد ہے اور تین الف کا مطلب چھ حرکات ہیں اور یہی بلا اختلاف طول کی مقدار ہے۔

اس مقام میں صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ مصنف نے مد متصل و مد منفصل میں الف بقدر ایک حرکت مراد لیا ہے اور مد لازم میں الف بقدر دو حرکت مراد لیا ہے۔ ابتدائی طالب علم اس سے یہ سمجھتا ہے کہ متصل و منفصل میں مقدار زیادہ اور مد لازم میں کم ہے حالانکہ معاملہ برعکس ہے بہتر ہوتا کہ دونوں جگہ ایک ہی اصطلاح بولی جاتی جیسا کہ خود حضرت مصنف نے اپنے منظوم رسالہ تجوید القرآن میں مدوں کی مقدار بں حرکات کی صورت میں بیان فرمائی ہیں، وہاں بیان نہایت واضح اور عمدہ ہے فرماتے ہیں :

متصل اور منفصل ہے اے اخی　　قدر حرکت چار کی یا پانچ کی!
مد لازم چھ سے کم ہوتا نہیں　　حکم مدوں کے ہوئے ختم اے امیں

بہر حال اس موقعہ پر تجوید کی نہایت معتبر اور مضبوط کتاب نہایۃ القول المفید سے ایک اقتباس کا ترجمہ پیش ہے اس کو غور سے پڑھیے۔ مسئلہ کا واضح حل موجود ہے فرماتے ہیں :

مقداروں کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ مد متصل میں ایک چیز اتفاقی اور ایک اختلافی ہے- اتفاقی یہ کہ تمام قراء اس مد کو مقدار اصلی سے زیادہ کھینچنے پر متفق ہیں اور کسی کے یہاں بھی اس میں قصر جائز نہیں اور محل اختلاف یہ ہے کہ اس زیادتی علی المد الاصلی کی مقدار میں قراء حضرات مختلف ہیں چنانچہ ورش اور امام حمزہ طول کرتے ہیں- جس کا اندازہ بقدر تین الف (یعنی بقدر چھ حرکات) ہے اس کے بعد امام عاصم ہیں جن کے یہاں بقدر دو الف (یعنی چار حرکات) اور دوسرے قول میں بقدر دو الف اور نصف الف (یعنی پانچ حرکات) ہے- شامی اور کسائی کے یہاں بقدر دو الف (چار حرکات) ہے- قالون، ابن کثیر اور ابو عمرو بصری کے یہاں بقدر دو الف (چار حرکات) اور دوسرے قول میں ایک الف اور نصف الف ہے (یعنی تین حرکات)-

اس کے بعد یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ الفات جو ذکر کیے گئے ہیں ان میں ہر ایک الف بقدر دو حرکت مراد ہے- ہمارے مشائخ حرکات کی مقدار کا اندازہ انگلیوں کے کھلنے یا بند ہونے کی مقدار سے لگایا کرتے تھے- یہ کھلنا یا بند ہونا متوسط رفتار سے ہونا چاہیے نہ بہت جلدی جلدی اور نہ دیر کے ساتھ- اس بات کو آپ خوب اچھی طرح سمجھ لیں تاکہ مذکورۂ بالا مراتب کو یقینی صورت میں ضبط میں لا سکیں- اور جس نے یہ کہا ہے کہ طول بقدر پانچ الف ہوتا ہے تو یاد رہے کہ اس کے نزدیک ہر الف کی مقدار ایک حرکت ہے لہذا مجموعی چھ حرکات ہوں گی کیونکہ وہ مد اصلی کو اس مقدار میں شامل نہیں کر رہا ہے- جس کی مقدار اس کے نزدیک ایک حرکت ہے- اسی طرح جس نے یہ کہا کہ توسط کی مقدار تین الف یا دو الف ہے تو سمجھنا چاہیے کہ اس کے نزدیک اس میں مد اصلی کی مقدار شامل نہیں جو کہ ایک حرکت ہے جیسا کہ ابھی کہا گیا-

اس مقدار کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے تاکہ اقوال کے اس ظاہری اختلاف سے مسئلہ آپ کے لیے مشکل نہ ہو جائے۔

(ابن غازی مع قدرے اضافہ نہایۃ القول المفید ص ۱۶۹، ۱۷۰ مطبوعہ مکتبہ علمیہ لیک روڈ لاہور)

مذکورہ حوالہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مصنف جمال القرآن نے مد متصل کی مقدار کو بقدر تین الف یا چار الف فرما کر ان حضرات کا قول اختیار فرمایا ہے جو الف کو بقدر ایک حرکت مراد لیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اس میں اصلی مقدار شامل نہیں جو کہ ان کی مراد کے مطابق ایک حرکت ہے لہذا اس کو شامل کر کے مد متصل کی مقدار بقدر چار حرکت یا پانچ حرکت ہوئی، چنانچہ توسط کی مقدار میں امام عاصم رحمہ اللہ کے بعینہ یہی دو قول ہیں جیسا کہ نہایۃ القول کی محولہ بالا عبارت میں اس کی تصریح کی گئی ہے کہ امام عاصم صاحب رحمہ اللہ کے یہاں مد متصل میں جو توسط ہے، اس توسط کی مقدار میں ان کے یہاں دو قول ہیں (۱) بقدر چار حرکات، (۲) بقدر پانچ حرکات۔

آگے چل کر مصنف جمال القرآن نے مد لازم میں مقدار (طول) کا اندازہ تین الف سے کیا ہے۔ نہایۃ القول کی مذکورہ عبارت کی روشنی میں یہ قول پہلی جماعت کا ہے جس نے بعینہ یہی کہا ہے کہ طول کی مقدار تین الف ہے۔ مگر ان حضرات کے یہاں الف کی مقدار دو حرکت ہے گویا طول بقدر چھ حرکات ہوا۔

خلاصہ یہ کہ جمال القرآن میں کسی مقام پر بھی مقدار مدود کے بیان میں مشائخ تجوید کے اقوال سے ہٹ کر کوئی نئی بات نہیں کہی گئی ہے۔ صرف اس قدر ہے کہ مد متصل و منفصل میں الف بقدر حرکت واحدہ والا قول لیا گیا ہے اور مد لازم میں الف بقدر حرکتین والا قول لے لیا گیا ہے۔ اور یہ دونوں تعبیریں مشائخ کے یہاں موجود ہیں۔ اس تشریح سے الحمد للہ ہمارا ذہنی الجھاؤ بھی ختم ہو گیا جو کافی عرصہ سے جمال القرآن کی عبارت میں ہمیں پراگندہ ذہن کیے ہوئے تھا۔ مد متصل میں امام عاصم کے لیے مد بقدر چار حرکات یا پانچ حرکات بڑا مشہور و متداول قول ہے، چنانچہ زمانہ حال کے استاذ عظیم شیخ عبد الفتاح سید عجمی مرصفی مدرس جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اپنی تصنیف ہدایۃ القاری میں فرماتے ہیں:

> حفصؒ عن عاصمؒ کے لیے بطریق شاطبیہ مد متصل کی مقدار بقدر چار حرکات ہے، اور توسط

میں یہی مشہور ہے اور مد بقدر پانچ حرکات بھی صحیح ہے جو فویق التوسط کے نام سے مشہور ہے وصلاً وقفاً دونوں وجہیں صحیح اور معمول ہیں۔

اور اگر مد متصل کا ہمزہ، متطرفہ ہو اور اس پر وقف کیا جائے۔ مثلاً الْعُلَمَآء تو اس وقت مد بقدر چار حرکات، پانچ حرکات اور وقف کی وجہ سے بقدر چھ حرکات بھی جائز ہے۔

(ہدایۃ القاری ص ۲۸۱، ۲۸۲)

چنانچہ شیخ الشیوخ حضرت قاری محمد عبد اللہ مکی نے رسالہ تعلیم الوقف میں مد کی ان تین حالتوں کو "مدود ثلثہ" کا نام دیا ہے۔

کتبہ خادم القرآن
اظہار احمد تھانویؒ
استاذ کلیۃ اصول الدین والقرآءۃ
جامعہ اسلامیہ عالمیہ اسلام آباد

سوانح حیات

حضرت مولانا قاری اظہار احمد التھانویؒ

آپ ۹ ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۰ء بروز منگل مشہور قصبے تھانہ بھون ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے والد ماجد کا نام حافظ محمد اعجاز احمد تھانویؒ تھا۔

ابتدائی تعلیم مدرسہ امداد العلوم جو خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں قائم تھا شروع ہوئی دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا حفظ کے استاد خلیفہ اعجاز احمد صاحبؒ تھے۔ اس مدرسہ میں آپ نے فارسی، تاریخ، سیرت مبارکہ، حساب خوشخطی ابتدائی عربی، ادب منطق، فقہ کافیہ فصول اکبری اور نفحۃ الیمن پڑھیں۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا محی الدین بنگالی۔ مولانا محمد شریف صاحب۔ مولانا محمد عمران صاحب۔ مولانا امیر احمد میرٹھی صاحب مولانا محمد مدثر صاحب۔ حضرت مولانا مفتی محمد جمیل احمد تھانوی صاحب جیسے اکابرین شامل تھے۔

۱۳۶۳ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا ۱۳۶۶ھ میں دورہ حدیث فرمایا جس میں بخاری جلد اول اور ابو داؤد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ۔ بخاری جلد ثانی و ترمذی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد اللطیف صاحبؒ۔ مسلم و طحاوی حضرت شیخ الحدیث مولانا منظور خان صاحبؒ۔ نسائی و ابن ماجہ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحبؒ۔ طحاوی اور ترمذی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الرحمٰن کاملپوری صاحبؒ۔ مشکوٰۃ حضرت مولانا مفتی قاری سعید احمد اجراڑوی صاحبؒ سے سماعت فرمائیں۔ ان اکابرین کے علاوہ علامہ حضرت صدیق احمد صاحب کشمیریؒ۔ مولانا ظریف احمد صاحب پور قاضویؒ۔ مولانا امیر احمد کاندھلویؒ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الشکور صاحب کاملپوریؒ حضرت مولانا محمد زکریا قدوسی صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب دامت برکاتھم جیسے اکابرین وقت سے استفادہ فرمایا۔ شعبان ۱۳۶۶ھ میں مظاہر العلوم سے سند فراغت حاصل کی۔ اس دوران مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور میں شیخ القراء حضرت مولانا قاری عبد الخالق صاحبؒ سے بھی استفادہ فرماتے رہے۔

اکتوبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان تشریف لائے اور مقدس مسجد پرانی انارکلی میں امامت و خطابت کا منصب سنبھال

لیا-

۱۹۵۲ء میں منشی فاضل اور ۱۹۵۴ء میں مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی سے کیا- ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور میں تدریسی خدمات انجام دینی شروع کی- امام القراء حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحبؒ دارالعلوم اسلامیہ میں ۱۹۵۳ء میں تشریف لائے تو آپ نے ان سے روایت حفص- قراءات سبع اور قراءات عشرہ میں استفادہ فرمایا اور سند فراغت حاصل کی نیز اپنے استاذ مرحومؒ کے نائب کے طور پر تقریباً تین سال تک خدمات انجام دیں-

۱۹۵۸ء میں حضرت امام القراءؒ نے دارالعلوم اسلامیہ سے علیحدگی اختیار فرما کر اپنا مدرسہ دارالترتیل و القرآءات لٹن روڈ کا آغاز فرمایا- تو حضرت قاری صاحب حضرت مولانا سید داؤد غزنویؒ کی دعوت پر مدرسہ تجوید القرآن جامعہ مسجد چینیانوالی میں تشریف لے آئے- اور یہاں ۱۹۶۳ء تک تجوید و قرآءت کی تدریسی خدمات انجام دیں-

۳۰ دسمبر ۱۹۵۹ء مطابق ۱۳۷۹ھ بروز منگل حضرت قاری عبدالمالک علیہ الرحمہ نے رحلت فرمائی- ۱۹۶۱ء میں مقدس مسجد کی امامت و خطابت ترک کر کے آپ نے جامع مسجد چوبرجی کوارٹرز ملتان روڈ میں امامت و خطابت کا منصب سنبھال لیا جہاں آپ اپنی رحلت ۱۹۹۱ء تک خدمات انجام دیتے رہے-

۱۹۶۳ء میں حضرت قاری فضل کریم صاحبؒ کی دعوت پر مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور میں تشریف لائے اور اپنی رحلت تک یہاں خدمات انجام دیتے رہے-

۱۹۸۱ء میں انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کا آغاز ہوا تو آپ تجوید و قرآءت، حدیث، تفسیر اور فقہ کے استاذ کے طور پر خدمات کی انجام دہی کے لیے مقرر ہوئے-

۱۹۶۹ء کوالالمپور ملائیشیا اور ۱۹۸۴ء میں المکۃ المکرمہ سعودی عرب میں عالمی مقابلہ حسن قرآءت میں بطور جج کے آپ کی تقرری ہوئی- ۱۹۷۴ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے- ۱۹۸۸ء میں حکومت پاکستان نے آپ کو تمغہ حسن کارکردگی سے نوازا-

۱۷- دسمبر ۱۹۹۱ء مطابق ۱۰ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ بروز منگل آپ نے رحلت فرمائی آپ کو قبرستان میانی صاحب بھاول شیر روڈ نزد چوک چوبرجی سپرد خاک کیا گیا-

آپ کے تلامذہ میں جن کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے اور جو اندرون و بیرون ملک خدمات انجام دے

رہے ہیں چند کے نام درج ذیل ہیں۔

قاری عبدالرحمٰن ڈیروی صاحب۔ قاری احمد میاں تھانوی صاحب۔ قاری عطاء اللہ ڈیروی صاحب۔ قاری محمد ادریس العاصم صاحب۔ قاری عبدالباعث صاحب سواتی۔ قاری بزرگ شاہ الازہری۔ قاری تاج افسر اسلام آباد۔ قاری محمد حاجی صاحب۔ قاری محمد رمضان صاحب۔ قاری مومن شاہ صاحب اور قاری فقیر محمد مردانی وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

آپ نے درج ذیل تصنیفات یادگار چھوڑی۔

علوم حدیث میں اخلاق محمدی، تقاریر ابوداؤد شریف، علم فقہ میں پیغام رمضان، تجوید میں جمال القرآن، تیسیر التجوید کے حواشی، مقدمۃ الجزریہ اور تحفۃ الاطفال کے تراجم۔ مجموعہ نادرہ، خلاصۃ التجوید، المرشد فی التجوید و الوقف، ترجمہ الحواشی المفهمہ شرح المقدمۃ الجزریہ، الجواہر النقیہ شرح المقدمۃ الجزریہ، شرح شاطبیہ، امانیہ شرح شاطبیہ۔ توضیح المرام فی وقف حمزۃ وہشام۔ حواشی تنشیط الطبع فی اجراء السبع۔ حواشی واضافہ برائے حواشی شاطبیہ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ۔ حواشی الدرۃ شرح السمنودی۔ الدرازی شرح الدرۃ المضیئۃ۔ ایضاح المقاصد شرح رائیہ۔ دائمی اوقات نماز اور سند قرآءت سے متعلق کتاب شجرۃ الاساتذہ جیسی علمی یادگاریں شامل ہیں۔

آپ کی مفصل اور ضخیم سوانح تذکرہ منبع علوم وفنون کے نام سے مرتب ہوئی ہے جس میں آپ کے تلامذہ اور رفقاء کے قیمتی اور علمی مضامین شامل ہیں۔

(رحمۃ اللہ تعالی علیہ)

قرآت اکیڈمی کی مطبوعات

- **جمال القرآن مکمل** ؛ کتابت، طباعت دیدہ زیب، سرورق انتہائی خوش نما، کاغذ نہایت عمدہ، جا بجا خود جناب مصنف، حضرت مولانا قاری اشرف علی صاحب تھانوی کے قلم سے نکلے ہوئے حواشی کے علاوہ تسہیل و تشریح میں قاری اظہار احمد صاحب تھانوی کے حواشی سے مزین۔
- **تیسیر التجوید** ؛ تالیف ماہرِ فن حضرت مولانا قاری عبد الخالق صاحب سہارنپوریؒ، تجوید کے مسائل میں جامع اور مستند کتاب، حاشیہ میں قاری اظہار احمد صاحب تھانوی کے قلم سے عمدہ تشریحات۔
- **فوائدِ مکیہ** : مع حاشیہ بے نظیر تعلیقاتِ مالکیہ حضرت قاری عبد المالک صاحبؒ کے نہایت علمی اور پُرمغز حواشی سے مزین، آخر میں چند نہایت علمی مباحث کا اضافہ۔
- **مقدمۃ الجزری** ؛ معہ تحفۃ الاطفال، آخر میں ترتیب وار اشعار کا ترجمہ مترجم قاری اظہار احمد تھانوی، خوشنما لکھائی و چھپائی۔
- **الجواہر النقیہ** ؛ شرح مقدمۃ الجزری اردو، بسوط شرح بلکہ مکمل فنی معلومات کا خزانہ قابلِ دید ہے، ضخامت ۳۰۰ صفحات، از قاری اظہار احمد صاحب تھانوی۔
- **افضل الدرر** ؛ شرح رائیہ عربی از حضرت قاری عبد الرحمٰن مکی الہ آبادیؒ، قرآت کی مقبول عام کتاب، بہترین کاغذ، عمدہ چھپائی پر مشتمل، حسین سرورق۔
- **اخلاق محمدی** ؛ چار صد احادیثِ مبارکہ کا خوبصورت مجموعہ، مؤلفہ قاری اظہار احمد تھانوی نفیس کاغذ و طباعت سے آراستہ۔
- **پیغامِ رمضان** ؛ رمضان کے مبارک مہینے کے متعلق تمام اہم مسائل اور احادیث کو سموئے ہوئے ایک خوبصورت کتاب، مؤلفہ قاری اظہار احمد صاحب تھانوی۔
- **شاطبیہ** ؛ بحواشی عربیہ، خوشنما دیدہ زیب، ہر شعر کی آسان عربی میں تشریح، محشی حضرت قاری عبد المالک صاحبؒ

- **امانیہ** ؛ شرح شاطبیہ اردو، غیر ضروری طوالت سے خالی، آسان اور عام فہم اُردو میں اشعار کی تشریح، طلبا کے لیے نہایت مفید، از قاری اظہار احمد تھانوی

ملنے کا پتہ

قرآت اکیڈمی ۔ ۲۸ ۔ الفضل مارکیٹ ۔ ۱۷ اُردو بازار ۔ لاہور ۔ ۲